ہند کے راجہ

یعنی

سوانح خواجہ

مرتب

خطیب مشرق علامہ مشتاق احمد نظامی رحمہ اللہ

ملک التحریر علامہ ارشد القادری رحمہ اللہ

دار النقی / تاج الشریعہ فاؤنڈیشن

www.muftiakhtarrazakhan.com

0092 303 2886671 /makhtarraza1011

وارثِ علومِ اعلیٰ حضرت، نبیرۂ حجۃ الاسلام، جانشین مفتی اعظم ہند، جگر گوشہ مفسرِ اعظم، شیخ الاسلام والمسلمین، قاضی القضاۃ، تاج الشریعہ

حضرت علامہ مفتی الشاہ محمد اختر رضا خان قادری ازہری رحمۃ اللہ علیہ

اور خانوادۂ اعلیٰ حضرت کے دیگر علمائے کرام کی تصنیفات اور حیات و خدمات کے مطالعہ کے لئے وزٹ کریں

Waris e Uloom e Alahazrat, Nabirah e Hujjat ul Islam, Janasheen e Mufti e Azam Hind, Jigar Gosha e Mufassir e Azam Hind, Shaikh ul Islam Wal Muslimeen, Qazi ul Quzzat, Taj ush Shariah Mufti

Muhammad Akhtar Raza Khan

Qadiri Azhari Rahmatullahi Alihi

Or Khaanwada e Alahazrat k Deegar Ulama e Kiram Ki Tasneefat Or Hayaat o Khidmaat k Mutaluah k Liyae Visit Karen.

To discover about writings, services and relical life of the sacred heir of Imam Ahmed Raza, the grandson of Hujut-ul-Islam, the successor of Grand Mufti of India, his Holiness, Tajush-Shariah, Mufti

Muhammd Akhter Raza Khan

Qadri Azhari Rahmatullahi Alihi

the Chief Islamic Justice of India, and other Scholars and Imams of golden Razavi ancestry, visit

www.muftiakhtarrazakhan.com

Taaj-al-Shari'ah Foundation, Karachi, Pakistan. WWW.MUFTIAKHTARRAZAKHAN.COM

تاج الشریعہ فاؤنڈیشن

0092 303 2886671 /makhtarraza1011

ہند کے راجہ

یعنی

سوانح خواجہ

مرتب

خطیب مشرق علامہ مشتاق احمد نظامی الہ آباد

ملک التحریر علامہ ارشد القادری (بریڈ فورڈ لندن)

ناشر

مکتبہ فریدیہ جناح روڈ ہائی سٹریٹ ساہیوال

ہند کے راجہ
یعنی
سوانح خواجہ

خطیبِ مشرق علامہ مُشتاق احمد نظامی (الہ آباد)
مُلک التحریر علامہ ارشدُ القادری (بریڈ فورڈ لندن)

ناشر
مکتبہ فریدیہ جناح روڈ ہائی سٹریٹ ساہیوال

(جدید ایڈیشن)

نام کتاب ——— ہند کے راجہ

تعداد اشاعت ——— ایک ہزار (طبع اوّل)

ضخامت ——— ۹۶ صفحات

مصنف ——— علامہ مشتاق احمد نظامی، علامہ ارشد القادری

ناشر ——— مکتبہ فریدیہ ساہیوال

کاتب ———

قیمت ——— 9/6

تاریخ اشاعت ——— مارچ ۱۹۷۶ء

عرضِ ناشر

خطیب مشرق علامہ مشتاق احمد صاحب نظامی مدظلہٗ العالی کی شخصیت علمی حلقوں میں محتاج تعارف نہیں۔ آپ "خون کے آنسو" جیسی عظیم اور مقبول ترین کتاب کے علاوہ دیگر متعدد کتابوں کے مصنف اور ماہنامہ "پاسبان" الہ آباد کے مدیر ہونے کے ساتھ ساتھ ایک مشہور و معروف خطیب، صاحبِ طرز ادیب بھی ہیں۔ زیرِ نظر کتاب بھی آپ ہی کے رشحات قلم کا نتیجہ ہے۔

دراصل یہ آپ کا وہ مقالہ ہے جو آپ نے ۱۹۶۵ء میں بصنعت صد سالہ جشن غریب نواز کے لئے تحریر فرمایا اور پھر احباب کے پُرزور اصرار پر افادۂ عام کے لئے کتابی شکل میں شائع کیا۔ ویسے تو حضرت خواجۂ خواجگان حضرت خواجہ غریب نواز رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر سینکڑوں کتابیں لکھی گئیں اور لکھی جاتی رہیں گی لیکن اس مختصر مگر جامع کتاب کو خطیب مشرق نے کچھ ایسے اچھوتے انداز سے تحریر فرمایا ہے کہ پڑھنے والا اپنے آپ کو یوں محسوس کرتا ہے جیسے اجمیر مقدس کے پُرانوار شہر اور خواجۂ خواجگان کے آستانۂ عالیہ کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہو اور پھر علامہ ارشدُ القادری کے مضمون نے کتاب کی افادیت میں مزید اضافہ کر دیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے ہمیں زیرِ نظر کتاب اپنی سابقہ روایات کے مطابق نہایت اہتمام کے ساتھ شائع کرنے کی سعادت سے نوازہ۔ ہم اپنے نہایت ہی کرمفرما بزرگ جناب سید نذیر احمد شاہ صاحب کے ممنون ہیں جنہوں نے یہ گراں قدر تحفہ اشاعت کے لئے ہمیں عنایت فرمایا۔

آخر میں احباب اہلسنت سے اپیل ہے کہ مکتبہ فریدیہ (جس کی بنیاد مسلک کی اشاعت کے پاکیزہ[1] جذبے پر رکھی گئی ہے) کے ساتھ پورا پورا تعاون فرمائیں۔ اور اس کی شائع کردہ کتب منگوا کر خود پڑھیں اور احباب کو پڑھائیں۔ اللہ تعالیٰ ہماری اس سعی کو قبول فرمائے۔ آمین۔ بجاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم۔

خادم العلماء
ابو العطاء نعمت علی چشتی سیالوی
فرید ٹاؤن ساہیوال

[1] یہ کتاب مکتبہ فریدیہ جناح روڈ ساہیوال سے مل سکتی ہے۔

نذرِ عقیدت

گنبدِ خضرا کی چھاؤں میں میٹھی نیند سونے والے شہیدِ عشق

سیاحِ عالم حضرت مولانا الحاج محمد عبد العلیم صدیقی میرٹھی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ[1] اور

شہنشاہِ بطحیٰ مکین گنبدِ خضرا کی بارگاہِ قدس میں

ہر صبح و شام درود و سلام کی ڈالی نچھاور کرنے والے

نائبِ رسولِ اکرم، شیدائے نبی محترم (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) تاجدارِ اہلسنّت

حضرت مولانا الحاج محمد ضیاء الدین صاحب قبلہ مہاجر مدنی[2] (دام ظلہم و فیوضہم)

و خلیفہ سیدنا امام احمد رضا فاضل بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ،

کی بارگاہ میں ایک مہجور و مجبور کا ——— نذرانۂ عقیدت!

ایک نادیدہ عاشق

اسیرِ حبیب:

مشتاق احمد نظامی

۲۱ مارچ ۱۹۶۶ء

---

[2] بابُ السلام مدینہ منورہ میں آپ قیام پذیر ہیں [1] والدِ ماجد مولانا الشاہ احمد نورانی مدظلہ العالی

شرفِ انتساب

آفتاب شریعت، ماہتاب طریقت، مقتدائے ملّت،
تاجدار اہلسنّت، گل گلزار نبوّت، شاہزادۂ اعلٰحضرت
حضور مفتی اعظم ہند بریلوی ادام ظلہم و فیوضہم

کے نام

جن کی عقیدت و محبّت وجہ سعادت
اور ذریعہ نجات ہے!

اسیرِ حبیب
مُشتاق احمد نظامی

معذرت

مارچ کا آخری ہفتہ تھیں، جب میں الہ آباد سے بڑودہ، بھڑوچ، پادرہ، پالیج، آمود، انکلیشور اور تھانہ وغیرہ کے لئے روانہ ہوا۔ پروگرام کو ناتمام ہی چھوڑ کر، ۸ ذی الحجہ کو بمبئی پہنچا۔ ۸ کی صبح کاشی ایکسپریس سے روانگی وارد تھا۔ میرا اپنا خیال تھا کہ بقرعید سامنے ہے، سفر میں کوئی رکاوٹ نہ پیش آئے گی۔ مگر وہ کہاوت سچ ہو کے رہی کہ "محبت کو آنکھ نہیں ہوتی" یا "محبت اندھی ہوتی ہے"۔ میرے دیرینہ محسن و کرم فرما محترم و معزز میزبان جناب سیٹھ محمد ابراہیم لکڑی والے ان کے متعلقین اور بچوں نے عزیزم سیٹھ عبداللہ۔ مجاہد عبدالرحمٰن۔ آدم۔ ابوبکر۔ نور محمد۔ شہر بانو۔ ایوب۔ بابو غلام حسین۔ بھائی امانت۔ محمد اکبر۔ محمد نسیم۔ حافظ لال محمد قادری اور عزیزی عباس یہ سب مری راہ میں آہنی دیوار بن کر کھڑے ہو گئے۔

جہاں میں اس حقیقت سے سب خبر نہیں کہ انسانی عزم و ارادے کی قوت تسخیر سمندر کی اٹھتی ہوئی موجوں کے جگر میں شگاف ڈال دیتی ہے اور آسمان سے آنکھ مچولی کھیلتے ہوئے پہاڑوں کا کلیجہ موم اور پانی بنا دیتی ہے۔ وہیں محبت کے اس گرم تیور کا بھی معترف ہوں جہاں میدان جنگ کے عظیم سپہ سالار بھی اپنا ہتھیار ڈال دیتے ہیں۔ بس یہی منزل میری بھی تھی جہاں یہ سوچ کر خاموش رہا ؎

بڑا نازک تعلق ہے دلوں کا نہ ہو جائے کوئی خاطر کبیدہ

چنانچہ نماز بقرعید پڑھ کر کلکتہ میل سے الہ آباد کے لئے روانہ ہوا۔ کلیان سے کچھ ہی دور آگے گاڑی بڑھی تھی کہ مجھ پر ہارٹ اٹیک ہوا اور تقریباً ہر دو گھنٹہ پر اختلاج قلب کا شدید دورہ پڑتا رہا کس کرب و اضطراب سے سفر کے لمحات کٹے اسے کچھ میں ہی جانتا ہوں۔ اس کے بعد سے طبیعت گرتی ہی گئی اور مرض قابو پاتا گیا، حتیٰ کہ پانچ مہینے سے تقریری پروگرام کا سلسلہ قریب قریب ختم ہو چکا ہے بمبئی، آدونی، آندھرا پردیش، بنگلور، رائے پور، میرٹھ، مراد آباد جیسے اہم مقامات پر بھی نہ جا سکا۔

اب پرسوں ۲۷ اگست ۶۵ء شام کی ڈاک سے عزیزی مجاہد عبدالرحمٰن سلمہ کا دعوت نامہ آیا کہ والد صاحب (سیٹھ محمد ابراہیم)، عبدالرحیم۔ حسام الدین۔ تن سیٹھ پائپ والے، مشتاق صاحب ماہم والے، زین الدین سیٹھ کرفٹ مارکیٹ اور دوسرے احباب اہلسنت پر مشتمل ایک کمیٹی کی تشکیل

ہوئی ہے جو اپنے بلند اور پُرجوش حوصلے کے تحت ماہ رجب میں "ہفت صد سالہ" (سات سو سالہ) جشن غریب نواز منانا چاہتی ہے اور اسی کے ضمن میں ایک پُرشکوہ جلوس غریب نواز کی ترتیب دینے کا بھی ارادہ ہے مگر یہ سب اسی وقت ممکن ہے جبکہ آپ ہمارے پروگرام کی دعوت منظور کرلیں۔

میں آج بھی بستر علالت پر ہوں اور سلسلۂ علاج جاری ہے۔ ابھی دو ہفتہ پیشتر میرے مخلص و کرمفرما بھائی شمس الحق علیمی کا لفاف آیا کہ میں ایک علیحدہ کمرے کا انتظام کر رہا ہوں۔ آپ اتنے دنوں کے لئے بسلسلۂ علاج بمبئی آجایئے جب تک کہ مکمل صحت نہ ہوجائے۔ ویسے تو اُن کے خط کی ہر سطر محبت سے بھرپور ہے مگر انہوں نے یہ لکھ کر میری زندگی خریدلی کہ "اخراجات مجھ سے متعلق ہوں گے خواہ مجھے اپنی جائیداد ہی کیوں نہ فروخت کردینی پڑے" وفور محبت سے آنکھوں میں آنسو اُمنڈ آئے ؎

آنسو مژہ کے پاس تک آکر پلٹ گئے　　کل بال بال آبروئے عشق بچ گئی

فراقؔ نے کہا اور سچ کہا ؎

آدمی آدمی سے ملتا ہے　　دل مگر کم کسی سے ملتا ہے

یہ سب کی آپ بیتی ہے کہ تعلقات کی وسیع دنیا میں خال خال معدودے چند ہی افراد ہوتے ہیں جن سے قلب و جگر کا گہرا تعلق ہوتا ہے۔

کلکتہ سے بھائی عبدالقیوم صاحب کے متعدد تار کے علاوہ اُن کا فرستادہ بھی آیا مگر طبیعت اس حد تک نڈھال ہوچکی ہے کہ کہیں کے لئے سفر کی ہمت نہ کرسکا۔

ابراہیم بھائی کا اصرار ہے کہ گھر والوں کو لے کر بمبئی آجایئے۔ بس یہ سوچ کر جی بہلا لیتا ہوں ؎

یاد رکھو تو دل کے پاس ہیں ہم　　بھول جاؤ تو فاصلہ ہے بہت

ہر چند ہمت کرنے کے باوجود ابھی تک کسی طویل سفر کا ارادہ نہ کرسکا۔

مگر ہفت صد سالہ جشن غریب نواز میں اپنی شرکت کو فال نیک تصور کرتے ہوئے آج ہی اپنی منظوری کا خط بھیجدیا ہے۔ آستانہ غریب نواز ہی سے میری زندگی کا شعور بیدار ہوا۔ جو جس کا کھاتا ہے اسی کا گاتا ہے "مجھے جو کچھ ملا انھیں کا صدقہ ملا، جو مل رہا ہے اسی در سے مل رہا ہے اور جو کچھ ملے گا غریب نواز ہی کی چوکھٹ سے ملے گا۔ میں ان کا ہوں وہ میرے ہیں، اب تو انھیں کا جھنڈا لہرانے کے لئے دارالعلوم غریب نواز الٰہ آباد کی داغ بیل بھی ڈال دی ہے، جسے میں اپنی زندگی کی اول و آخر یادگار سمجھتا ہوں ؎

موت کے دن قریب آپہنچے　　ہائے ہم نے تو کچھ کیا ہی نہیں

بس آرزو یہی ہے اب عمر کے قیمتی لمحات دارالعلوم غریب نواز کی نذر ہوجائیں۔ میں یہ جانتا ہوں یہ پھولوں کی سیج نہیں کانٹوں کی راہ ہے۔

لیکن انجان بن کر نہیں' دیدہ و دانستہ آگ و پانی سے کھیلنا ہے۔ میں اس وقت اکیلا ہوں، مگر سیدی سرکار غریب نواز کی دستگیری و فیض بخشی پر اعتماد کلی ہے کہ ع آدمی بڑھتے گئے اور کارواں بنتا گیا کے مطابق کوئی ایک دن ایسا آنے والا ہے جب یہی دارالعلوم اہلسنت کا مرکز توجہ ہوگا۔

خوش نصیب اور فیروز مند ہیں وہ احباب اہلسنت جنھوں نے ہفت صد سالہ جشن غریب نواز کے جشن سیمیں کی بنیاد ڈال کر اپنی عقیدت کا برملا مظاہرہ کیا ہے۔ محبت کے بھی عجیب، غریب انداز میں۔ کہنے والے نے کہا اور سچ کہا ؎

کوئی سمجھے تو ایک بات کہوں   عشق توفیق ہے گناہ نہیں

یہ دولت بے مایہ سب کو نہیں ملتی۔ محبت آتی ہے تو اپنے نت نئے انداز بھی لاتی ہے تذکرۂ محبوب اور آرائش جمال کے لئے ہزاروں بہانے ڈھونڈ لاتی ہے۔

گوشۂ قلب میں عشق و محبت کی کوئی دبی ہوئی چنگاری تھی جو آج ان کے نام پر بھڑک اٹھی۔ میرا اپنا ایک شعر ہے ؎

بھڑک جاتی ہے جب یہ آگ تو بجھنے نہیں پاتی
چراغ عشق جل جاتا ہے تو مدھم نہیں ہوتا

دیدۂ اعتبار سے کوئی دیکھے تو یہی یہ غریب نواز کی کرامت نہیں تو اور کیا" ہے؟ کوہساروں کے دامن میں سونے والے خواجہ ساحل سمندر کے بسنے والوں پر کیسی حکومت کررہے ہیں —؟

اے خواجہ کے شیدائیو! تم مطمئن ہوجاؤ، اب گردش زمانہ بھی تمہارا نام نہ مٹا سکے گی۔ تم نے اپنی زندگی کا حق ادا کردیا، زندگی وہی ہے جو اپنے پیچھے کردار و عمل کی کوئی زرّیں تاریخ چھوڑ جائے، اپنے وقت کا مورخ جب بھی قلم اٹھائے گا" اراکین جلوس غوثیہ" اور" اراکین ہفت صد سالہ جشن غریب نواز" کا نام سرفہرست رکھے گا۔ مجھے اس اعتراف میں کوئی تامل نہیں کہ تم لوگوں نے اپنی جماعت کو ایک نیا سرمایہ دیا ہے اور سچ تو یہ ہے کہ تمہاری عقیدت اور محبت کا یہ اٹھتا ہوا قدم تاریخ میں ایک نئے باب کا اضافہ ہوگا۔

اے جشن غریب نواز کی تقریب سعید میں حصہ لینے والے دوستو! یہ مجھ پر بھی تمہارا احسان ہے کہ مہینوں کا ایک مریض آج قلم لے کر پھر بیٹھ گیا۔ گویا مجھے زندگی مل گئی۔

یہ بھی عجیب اتفاق ہے کہ جب میں دارالخیر، اجمیر مقدس، درگاہ معلیٰ میں حاضری دیتا ہوں تو میرا حال میرے اِس شعر کے مطابق ہوتا ہے ؎

کچھ نہ بولوں گا زباں سے ان کی بزم خاص میں
آنسوؤں کے ساز پر کہنا ہے افسانہ مجھے

اور اجمیر کی گلیوں سے دُور ہوتے ہی زبان و قلم کی دُنیا متحرک ہو جاتی ہے پھر تو اپنا حال یہ ہوتا ہے ؎

نہ غرض کسی سے نہ واسطہ مجھے کام اپنے ہی کام سے
ترے ذکر سے تری فکر سے تری یاد سے ترے نام سے

اسیرِ حبیب
مشتاق احمد نظامیؔ
۶؍جمادی الاول ۸۵ھ ۳؍ستمبر ۶۵ء

پیش لفظ

قدسی صفات خواجۂ خواجگاں سلطان الہند عطائے رسول سیدی سرکار معین الدین چشتی سنجری[1] اجمیری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حالات زندگی پر قلم اٹھانا یا تصوف و طریقت کے دیدہ ریز مسائل پر پیر حاصل گفتگو کرنا میرا اپنا منصب نہیں۔

ع ہر کسے را بہر کارے ساختن

بس عقیدت کی اس بنیاد پر کہ فردِ عمل میں کسی نیکی کا اضافہ ہو جائے جو میدان محشر میں نجات کا سہارا بن سکے۔ اپنے ضعف و ناتوانی کے باوجود قلم لے کر بیٹھ گیا۔

ابتداءً دماغ بوجھل رہا مگر قوت حافظہ نے دستگیری کی اور ایک ایسی لائبریری کا سُراغ مل گیا جس سے بجھے ہوئے حوصلے کو توانائی ملی۔

بیگم سرائے نواح شہر کا ایک متمدن قصبہ ہے جہاں عارف باللہ شیخ طریقت شاہ عبدالعلی عرف علیم اللہ علیہ الرحمہ والرضوان کا مزار پر انوار ہے آپ کا سلسلۂ بیعت سراج الاولیاء حضرت شاہ عارف صفی رحمۃ اللہ علیہ سے ہے جن کا آستانہ گرامی الہ آباد ہی کے ایک ممتاز و مشہور قصبہ سید سراواں میں ہے۔ اسی دیرینہ روایات کے تحت ہر دو بزرگوں کا سالانہ عرس بڑے تزک و احتشام سے منایا جاتا ہے۔

شاہ عبدالعلی کے خلف رشید عم مکرم جناب مشتاق احمد صاحب ٹھیکیدار انتہائی خلیق، علم دوست، عبادت گزار اور صوفی منش بزرگ ہیں۔ آپ کے صاحبزادگان میں غریب نجف، درویش نجف، فقیر نجف اور مسکین نجف۔ یہ سبھی تعلیم یافتہ ہیں۔ اور ان لوگوں کا رہن سہن، رفتار و گفتار، تواضع و انکسار ایک درویش گھرانے کا آئینہ دار ہے۔ برادرم درویش نجف کے لئے یہ کہنا مبالغہ نہیں بلکہ قطعاً اظہار حقیقت ہے انھیں اپنی پوشاک و خوراک کی اسقدر فکر نہیں جس حد تک لائبریری سجانے کی، بالخصوص تصوف کی کتابوں سے تو ایک والہانہ شغف ہے۔ سلسلہ قادریہ، چشتیہ، نقشبندیہ، سہروردیہ، قلندریہ غرضیکہ جملہ سلاسل کی مستند و معتبر کتابوں کا ایک بہت بڑا ذخیرہ ہے۔

عزیزی انوار احمد نظامی بیگم سرائے میرا رقعہ لے کر گئے اور کتابیں لائے، اب اس وقت میں ہوں اور اردگرد کتابوں کا ایک انبار ہے۔ پہلے تہی دامانی کا شکوہ تھا اور اب تنگ دامانی کا گلہ۔ مطالعہ کے بعد میں نے اپنی رائے بدل دی۔ زیر نظر کتاب صرف ایک دیباچہ اور تمہید ہے۔

---

[1] تحقیق یہ ہے کہ لفظ سجزی ہے جو سجستان کی طرف منسوب ہے۔ واللہ اعلم

خدائے بزرگ و برتر نے اپنے محبوبوں کے صدقے توانائی بخشی تو سوانح خواجہ کا حصہ دوم کئی سو صفحات پر مشتمل معلومات کا ایک گرانمایہ ذخیرہ ہوگا۔

آپ کو اس کتاب میں چند اُبھرے ہوئے سوالات کے جوابات ڈھونڈنے ہیں۔

الحاد و بے دینی کے اس دور میں جبکہ تصوف کو افیون کی گولی اور خانقاہوں اور درگاہوں کو بدعات و منکرات کا اڈہ کہا جاتا ہو۔

اہل اللہ کی قبروں پر گنبد بنانے، گل پاشی و چادر پوشی کو شرک و بدعت اور تشبہ بالہنود جیسی لایعنی باتوں سے تعبیر کیا جاتا ہو۔

تو حق پرستوں کی ذمہ داریاں اس باب میں کچھ اور زیادہ بڑھ گئی ہیں نیز عوامی حالات کا تقاضا ہے کہ معمولات اہلسنّت کو کتاب و سنّت کی روشنی میں ثابت کرنے اور دلائل و براہین کی زنجیروں میں جکڑنے کی پوری کوشش کی جائے۔

ماتم تو یہ ہے کہ ضلالت و گمراہی کا یہ پُتلا کمیونسٹ کی گود کا پالا ہوا نہیں بلکہ اس کا لٹریچر براہ راست کمیونزم کے خلاف برسرِ پیکار نظر آتا ہے۔

یہ مندر و گرودوارہ یا گرجا و کلیسا کا ریاضت گزار نہیں بلکہ اللہ کے اسی گھر میں اپنی پیشانی سیاہ کرتا ہے جہاں سچے پکے مسلمان اپنے دلوں کی دُنیا نور الٰہی سے معمور کرتے ہیں۔

اس کے پاس طلسم ہوشربا یا الف لیلیٰ جیسی کتابوں کا پوٹلہ نہیں ہوتا بلکہ قرآن حکیم ہی بغل گیر ہوتا ہے۔ پندار و غرور اور دجل و فریب کے اس مجسمے کو انسانی آبادی میں چلتے پھرتے دیکھ کر یہ شبہ ہوتا ہے کہ یہ اسی دیس کا ہے یا کسی عجائب خانے کا کوئی نیا ....

بس نہ پوچھئے ایک قیامت ہے جو سر سے گزر رہی ہے۔ مزارات کو ڈھادو، گنبد کو مسمار کردو، درگاہوں میں آگ لگادو اور تصوف و طریقت کی روحانی کتابوں کو دریا بُرد کردو، کا ایک قیامت خیز نعرہ ہے جس سے پوری فضا دہل رہی ہے۔ اللہ اکبر

اقلیم رُوحانیت کے تاجدار دل سیدنا ابوبکر صدیق، مولائے کائنات علی مرتضیٰ، امام حسن بصری، جنید بغدادی، بایزید بسطامی، ابوالحسن خرقانی، ذوالنون مصری، مولانا رومی، خواجہ عثمان ہارونی، سرکار غوث اعظم، سرکار خواجہ غریب نواز، سید سالار مسعود غازی، شیخ شہاب الدین سہروردی، بو علی شاہ قلندر، خواجہ قطب الدین بختیار کاکی، مخدوم بہاری، محبوب الٰہی، محبوب سمنانی، مخدوم حسامی پیران کلیر، سید نصیر الدین چراغ دہلوی، سید بندہ نواز گیسو دراز، سید بدیع الدین زندہ مدار، حضرت

مخدوم مہائمی، شاہ علاء الحق پنڈوی (رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین) جیسے اکابر امت سے گویا جو روحانی سرمایہ ہمیں بطور وراثت ملا آج کا صوفی دشمن طبقہ اسے پیوند خاک کر دینا چاہتا ہے۔ اکابر اولیاء اللہ نے جس روحانی چمن کو خون جگر سے سینچا ہے اسی کو نجدو سہارنپور کی دنیا جلانے کے راکھ کا ڈھیر بنانا چاہتی ہے قابل صد تحسین ہیں بمبئی کے وہ حوصلہ مند اہلسنت جنھوں نے ہفت صد سالہ جشن غریب نواز کی داغ بیل ڈال کر ایک نئے دور کا آغاز کیا ہے۔

گویا آج کی گھٹا ٹوپ تاریکی میں ان کا یہ جشن ہمیں ایک روشن منارہ ہے۔ رب کریم ان سب کو غریب نواز کی پناہ میں رکھے اور زیر مطالعہ کتاب کو شرف قبول سے نوازے۔

میں یہ جانتا ہوں کہ یہ نہ کوئی کتاب ہے نہ رسالہ نہ کوئی مضمون ہے نہ مقالہ دل صد پارہ کی چند قاشیں ہیں جو ایک غریب کی طرف سے غریب نواز کی بارگاہ میں ہدیۂ عقیدت ہیں ؎

نثار کرنے کو تجھ پر کہاں سے لائیں خوشی
یہی ہیں کچھ غم پنہاں بچے بچائے ہوئے

اسیر حبیب

مشتاق احمد نظامی

مقدمہ

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق
ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

ہندوستان کا اسلام تاریخ ہند کا مطالعہ اس یقین کی ضمانت ہے کہ یہاں کی بنجر زمین میں عارفان باللہ ہی نے اس کی تخم ریزی کر کے اپنے خون جگر سے آبیاری کی۔ یہاں کی گھٹا ٹوپ تاریکی میں اسلام کے روشن کرنے والے یہی اللہ کے برگزیدہ بندے ہیں جو اجمیر، بہرائچ، دہلی، کلیر، فتحپور سیکری، مکن پور، کچھوچھہ، آگرہ، ناگور، مانک پور، ردولی، احمد آباد، گلبرگہ، راجگور، کالپی، بہار، برہان پور، مارہرہ، بدایوں، بریلی وغیرہ میں آرام فرما ہیں اور ایک دُنیا ان کے روحانی فیوض و برکات سے متمتع و فیضیاب ہو رہی ہے۔

یہ اللہ کے وہ مقبول بندے ہیں جب اپنی حیات ظاہری میں جلوہ گر رہے تو مرجع خلائق بن کے رہے اور آج اپنی اپنی راجدھانیوں میں بہ فیض ربی حاجت روائے عالم بن کے رشک دارا و سکندر ہیں دنیا کے حکمرانوں کا اقتدار دھوپ چھاؤں سے کم نہیں، وہ ایک سراب ہے یا حباب۔ اس کے سوا کچھ نہیں۔ دنیا کے چند روزہ مسند اقتدار کا کوئی بھروسہ نہیں، رات کا بادشاہ دن کا قیدی اور دن کا فوجی رات کا بادشاہ۔ یہ آئے دن کا روزمرہ ہے۔ جو کانوں کا سنا اور آنکھوں کا دیکھا ہے۔

لیکن مسند روحانیت کے تاجداروں کا کیا کہنا، ان کے اقبال کا سورج کبھی گہناتا ہے اور نہ ہی ان کا پرچم اقتدار کبھی سرنگوں ہوتا ہے۔ اُن کی ہر صبح گزری ہوئی صبح سے زیادہ روشن اور ہر آنے والی رات گزشتہ شب سے کہیں تابناک! صدیاں بیتتی جاتی ہیں لیکن ان کے اقتدار کا سکّہ یونہی کھنکھناتا رہتا ہے۔ وہ کبھی کھوٹا نہیں ہوتا بلکہ ہر دور کا رائج الوقت سکّہ بن جاتا ہے۔ کشور روحانیت کے یہ وہ شہنشاہ ہیں جن کے ایوان شاہی پر کوئی حاجب و پہریدار نہیں، ان کا در ہر چھوٹے بڑے کے لئے ہمیشہ کھلا رہتا ہے۔ اکبر، شاہجہاں، عالمگیر جیسے بادشاہ اور گدڑی پوش درویش سب ایک ہی صف میں کھڑے رہتے ہیں۔ یقین نہ آئے تو آسمان کے ان ستاروں سے پوچھو کہ سلاطین زمانہ میں سے کس کس کو تم نے "ہند کے راجہ" کی قبر کا طواف کرتے دیکھا ہے۔ حقیقت جھٹلائی نہیں جا سکتی۔

ہاتھ میں چراغ لیکر عہد رفتہ کے سلاطین کی قبریں ڈھونڈیئے۔ شاید دبا یکسی کے کھنڈرات مل جائیں۔ جہاں چراغ بتی کرنے والا کوئی نہ ہوگا۔ لیکن اجمیر، بہرائچ، کلیر جانا چاہیں تو بقول سرکار آسی حال یہ ہوگا ؎

اس کا پتہ نہ پوچھو بس آگے بڑھے چلو
ہوگا کسی گلی میں تو فتنہ اٹھا ہوا

کتنے بادشاہوں کے چراغ سطوت جلے اور جل کے بجھ گئے لیکن عشق و معرفت کی بھٹی میں سلگنے والے جلتے ہیں اور پھر وہی خاک کندن بن کے چمکتی ہے۔ میرا اپنا ایک شعر ہے ؎

بھڑک جاتی ہے جب یہ آگ تو بجھنے نہیں پاتی
چراغِ عشق جل جاتا ہے تو مدھم نہیں ہوتا

بات یہ چل رہی تھی کہ یہاں کا اسلام اولیاء کاملین کا لایا ہوا ہے اور یہ ایک حقیقت ہے کہ یہاں کی زمین پر ہندو دھرم بادل بن کے چھایا ہوا تھا اور بعض مافوق البشر شعبدہ بازیوں کے تحت یہاں کے ذہن و فکر پر کاہنوں، جوتشیوں اور جوگیوں کی حکمرانی تھی۔ اس کی کاٹ علما ظاہر کے پاس نہ تھی، اس کا منہ توڑ جواب انھیں اہل اللہ کے پاس تھا جن کی زندگی فقر و فاقہ، چلّہ، مجاہدہ، تہجد و نوافل، تسبیح و مصلے کی آئینہ دار تھی۔ اگر جے پال جوگی آسمانی فضاؤں میں اڑ سکتا تھا تو ہند کے راجہ سرکار خواجہ کی کھڑاؤں اس سے بھی آگے جاسکتی تھی۔ جب عارفان باللہ کے روحانی تصرفات سے اسلام کا بول بالا ہوا اور تدریجاً یہ رفتار بڑھتی گئی تب علماء کی ضرورت پیش آئی۔ قانون کسی قوم پر نافذ کیا جاتا ہے جب قوم مسلم ہی نہ تھی تو نماز، روزہ، حج و زکوٰۃ، مسجد و مدرسہ سے یہ زمین یکسر خالی تھی۔ پہلے اصولی طور پر اقرار توحید و رسالت کی دعوت دی گئی۔ جیسے جیسے قبول کرنے والوں کی تعداد بڑھتی گئی ویسے ویسے ان علماء کی ضرورت پڑتی گئی جو طہارت، نماز، روزہ، حج زکوٰۃ جیسے بنیادی مسائل کے علاوہ اسلام کے دوسرے مسائل اور ضروریات دین کی تعلیم سے اس قوم کو آراستہ کرسکیں۔ یہ کہنا بیجا نہ ہوگا کہ ہندوستان کی زمین پر پہلے خانقاہ بنی ہے بعد میں مسجد و مدرسہ مودودیت کے وارفتگان کو دعوت فکر ہے کہ جس تصوف کو وہ لوگ 'افیون یا چنیا بیگم' کہہ کر منہ چڑھاتے ہیں۔ اگر صوفیاء کی یہ جماعت نہ پہنچتی اور اپنے چلے، مجاہدے، کشف و کرامات سے یہاں کی دنیا میں انقلاب نہ برپا کرتی تو آج قیام قسط و عدل کی دعوت وہ کسے دیتے؟ سچ تو یہ ہے کہ جماعت اسلامی اپنے اسلاف و اکابر کے حق میں احسان فراموش ہونے کی نہیں بلکہ محسن کش

ہونے کے مترادف ہے۔

آج کی تقریب میں ملک کے طول وعرض کا سرسری جائزہ لیجئے تو معلوم ہوگا کہ یہاں کا اسلام علماء کا نہیں صوفیاء کا لایا ہوا ہے، وہ مقامات جہاں میں نے اپنی خوش نصیبی سے حاضری دی ہے ان میں سے بعض کا تذکرہ کرتا ہوں جو درس عبرت کے لئے کافی ہے۔

برہان پور یہ شہر کسی وقت دکن کا پایہ تخت رہ چکا ہے۔ وسط شہر میں عادل شاہ فاروقی کی بنوائی ہوئی جامع مسجد عہد رفتہ کی زریں یادگار ہے۔ اس شہر میں نہ جانے کیسے کیسے صاحب فضل وکمال پیوند خاک ہیں۔ شہر کے شمالی حصہ میں حضرت نظام الدین عرف بھکاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا آستانہ ایک ٹیلہ پر واقع ہے، جس کے نیچے سے تاپتی ندی بہتی ہے۔ مشہور یہ ہے کہ پہلے یہ ندی کسی اور سمت بہتی تھی لیکن حضرت کے اشارے پر اس نے اپنا رخ بدل دیا۔

اوپر جاتے ہوئے داہنے ہاتھ پر حضرت کے ایک خادم کا مزار شریف ہے جو پہلے غیر مسلم تھے۔ کہیں جاتے ہوئے انھوں نے حضرت شاہ بھکاری علیہ الرحمہ کو پارس یا ناریل کا ایک ٹکڑا بطور امانت دیا۔ حضرت نے لے تو لیا مگر انھیں کے سامنے بہتی ہوئی ندی میں پھینک دیا۔ یہ دیکھ کر کہ زندگی بھر کی کمائی رائیگاں چلی گئی تو اس نے کلیجہ پیٹ لیا اور زار وقطار رونے لگا۔ حضرت نے فرمایا گھبرانے کی کیا بات ہے، ندی میں اتر جاؤ اور لے لو۔ انھوں نے عرض کیا حضور چڑھی ہوئی ندی میں اس ٹکڑے کی کیا حقیقت؟ فرمایا، تم جاؤ تو سہی۔ تعمیل حکم کی خاطر وہ ندی میں اتر پڑے۔ اب جہاں تک نظر جاتی ہے پارس ہی پارس کے ٹکڑے نظر آتے ہیں۔ حضرت شاہ بھکاری علیہ الرحمہ نے مسکرا کے فرمایا اپنا ہی پارس لینا دوسروں پر ہاتھ نہ بڑھانا۔ یہ سنتے اور دیکھتے ہوئے دل کا دروازہ کھل گیا اور قدموں کو تھام کر مشرف بہ اسلام ہوگئے اور ساری زندگی حضرت ہی کی خدمت میں گزار دی۔

آج کی نام نہاد جماعتیں میلاد وعرس کرنے والوں کو بدعتی، کافر اور مشرک تو بنا رہی ہے مگر کوئی ان سے یہ بھی دریافت کرے کہ کتنے کافروں کو انھوں نے مسلمان بنایا؟

ع۔ حیران ہوں دل کو روؤں یا درد جگر کو میں

بہرائچ جہاں سید سالار مسعود غازی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا بافیض آستانہ ہے۔ اور تقریباً ہر سال چھ سات سے زاید کوڑھی شفایاب ہوتے ہیں۔ اپنے زمانے میں سلطان تغلق یا علاؤ الدین خلجی حاضر دربار ہوا ہے۔ درگاہ روڈ سے گزرتے ہوئے ایک سید صاحب کا مزار مبارک ہے۔

بادشاہ نے اپنی حاضری سے پہلے درخواست کی کہ آپ کی معیت میں حاضر دربار ہونا چاہتا ہوں آپ نے شرف قبول سے نوازا اور بادشاہ کو ساتھ لے لئے۔ لیکن چلنے کا انداز یہ تھا کہ کوئی پاؤں سیدھا نہ پڑتا۔ بادشاہ نے متعجب ہو کر دریافت کیا کہ حضور راستہ تو بالکل سیدھا ہے پھر یہ آڑھے ٹیڑھے سے چلنے کا انداز کیسا؟

یہ سنکر آپ نے اپنی کلاہ بادشاہ کے سر پر رکھ دی اس کی آنکھیں کھل گئیں جدھر دیکھتا ہے شہدائے کرام کی نعش ہی نعش نظر آتی ہے۔ اب اسے چلنا دشوار ہو گیا۔ آستانہ پر پہنچ کر بادشاہ نے عرض کیا کہ حضور سید سالار کی کچھ کرامات بیان فرمائیں تو آپ نے فرمایا یہ بھی ایک کرامت ہے کہ مجھ جیسا درویش اور تجھ جیسا بادشاہ دونوں بھکاری بن کر کھڑے ہیں۔

یہاں رجب میں عرس ہوتا ہے اور جیٹھ میں میلہ جس میں کئی لاکھ ہندو شریک ہوتے ہیں بہرائچ سے کچھ دور جانے کے بعد نیپال راج شروع ہو جاتا ہے۔

پنڈوہ شریف

یہاں شاہ علاؤ الحق پنڈوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا آستانہ گرامی ہے جو سیدی مخدوم جہانگیر سمنانی کچھوچھوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے پیر و مرشد ہیں۔ آستانے پر جاتے ہوئے داہنے ہاتھ پر مخدوم پاک کا چلہ بھی ہے' یہاں کے ایک ایک ذرّہ سے معرفت اور عشق و محبت کی بو آتی ہے۔ بلا تفریق مذہب و ملّت سبھی اس آستانہ سے بامراد واپس آتے ہیں۔ پنڈوہ شریف ضلع مالدہ (بنگال) میں ہے' جو پاکستان کے سرحدی علاقہ سے قریب ہے یہ آستانہ مسلمانوں کا مرجع عقیدت تو ہے ہی لیکن ہزار ہا ہزار ہندو بھی حاضر دربار ہوتے رہتے ہیں۔

گلبرگہ شریف

جہاں سلطان نصیر الدین چراغ دہلوی علیہ الرحمہ کے خلیفہ اجل حضرت سید محمد بندہ نواز گیسو دراز رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا آستانہ مرجع خلائق ہے (آپ ہی کی اولاد و امجاد کا ایک خاندان رائچور اندرون قلعہ آباد ہے جو آستانہ عالیہ شمسیہ کے نام سے موسوم ہے)۔

فن تصوف پر سید بندہ نواز کی فارسی اور دکنی زبان میں متعدد تصانیف ہیں۔ اندرون احاطہ ایک لائبریری ہے جس میں حضرت کی تصانیف کے علاوہ دوسرے فنون پر بھی کافی کتابیں ہیں۔

حضرت بندہ نواز کو حضرت سلطان نصیر الدین چراغ دہلوی نے دکن میں رشد و ہدایات کے لئے بھیجا تھا۔ چنانچہ ایک کمبل پوش درویش نے وہاں پہنچکر دکن کی کایا پلٹ دی اور آج بھی وہ دکن کی راجدھانی کے تاجدار سمجھے جاتے ہیں۔

ناگور شریف یہاں صوفی حمید الدین ناگوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا مزار مبارک ہے۔ جلال الدین اکبر آپ کے عقیدت کیشوں میں تھا۔ ناگور میں اکبر کی بنوائی ہوئی جامع مسجد ہے آپ کا تفصیلی تذکرہ جلد دوم میں آرہا ہے۔

احمد آباد یہ وہ مردم خیز علاقہ ہے جسے "اخبار الاخیار" میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمہ مدینۃ الاولیاء کے نام سے یاد کیا ہے۔ گویا یہ دوسرا بدایوں ہے۔

حضرت قطب عالم شاہ وجیہہ الدین، حضرت شاہ عالم جیسے جلیل القدر اولیاء کرام گجرات کے اسی متمدن شہر میں آرام فرما ہیں۔ سلسلہ سہاگیہ کے مورث اعلیٰ حضرت موسیٰ سہاگ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا آستانہ گرامی احمد آباد ہی میں زیارت گاہ خلائق ہے۔ جس وقت میں نے حاضری دی تھی اس وقت مولانا حسرت موہانی کا ایک شعر آویزاں تھا جسے قوت حافظہ نے ابھی تک محفوظ رکھا جو ناظرین کی ضیافت طبع کے لئے حاضر ہے ؎

کہتی ہے عقل دین بھی دنیا بھی طلب کر
دونوں سے منہ کو موڑ یہ ایمار عشق ہے

"نواح احمد آباد، بڑودہ جامع مسجد میں سلسلہ رفاعیہ کے ایک بزرگ حضرت باپو پیر سید عظیم الدین آج بھی یادگار سلف کی حیثیت سے مسند رشد و ہدایت پر متمکن ہیں۔"

یہ ایک بہت ہی طویل موضوع ہے اگر اس کے سمیٹنے کی کوشش کی جائے تو بجائے خود ایک مستقل کتاب بن جاوے۔ چند قدسی صفات بزرگوں کے تذکرے بطور تمہید عرض کئے گئے کہ ملک کے طول و عرض مشرق و مغرب شمال و جنوب جدھر جائیے اللہ کے کسی بھی برگزیدہ بندے کی قبر کو تصرفات روحانی اور فیوض باطنی کی انمٹ نشانی پائیے گا۔

؎ خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

بنام اسلام ایک بدباطن دنیا آج حرمت ولایت سے کھیل کھیلنا چاہتی ہے اور ان کی جہد مسلسل کا بس اتنا ہی خلاصہ دکھوڑ ہے کہ انحطاط و تنزل کے اس حوصلہ شکن دور میں تصوف اور روحانیت کے جو رہے سہے آثار ہیں انھیں بھی مٹا دیا جائے۔ اگر ان کا بس چلے تو یہ گمان خوش زبان و ادب کے ٹھیکیدار ہونے کی حیثیت سے اردو زبان سے چلہ، مراقبہ، مجاہدہ، مکاشفہ، تہجد و نوافل، تسبیح و مصلی جیسے الفاظ کو باہر نکال پھینکیں جو خود ان کی اپنی اصطلاح میں زبان کی

تطہیر سمجھی جائے گی۔

آج اعراس کو مٹانے کے لیے نت نئے حربے استعمال کئے جاتے ہیں۔ کبھی تو یہ کہا جاتا ہے کہ اجمیر و کلیر میں بنام عرس جیب تراشی اور گرہ کٹی ہوتی ہے۔ آستانہ جات کی حاضری شرکت و بدعت ہے یا ضلالت و گمراہی۔

لیکن بر سبیل تذکرہ یہ بات دریافت کرنی ہے کہ اگر گرہ کٹی اور جیب تراشی جیسے واقعات و حادثات کی بنیاد پر اعراس کو بند کر کے آستانہ جات مقفل کر دیئے جائیں۔ تو کیا ایسے حادثات مساجد میں نہیں پیش آتے۔ جوتا، گھڑی، کوٹ، چھاتا، روپے بھی غائب ہوتے رہتے ہیں۔ پھر کیا اسی اصول کے تحت یہ اعلان عام کر دیا جائے کہ اپنے اپنے گھروں میں نمازیں ادا کریں اور معاذ اللہ خانۂ خدا میں تالا لگا دیا جائے۔ اگر جواب نفی میں ہے تو اعراس نے کیا بگاڑا ہے؟ کہ مجرم و خطا کار کی اصلاح نہ کرنے کے بجائے عرس کے مسعود و مبارک مراسم کو بند کر دیا جائے۔

ع کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے

علاوہ ازیں یہ بات بھی تو صیغۂ راز میں ہے کہ گرہ کٹوں اور جیب تراشوں کی سپلائی کہاں سے ہوتی ہے۔ اس کا قوی امکان ہے کہ اعراس کو بدنام کرنے کے لئے تھانہ بھون گنگوہ اور سہارنپور انھیں ٹریننگ دے کر بھیجتا ہو۔ جس پر کلیر کا عرس شاہد عدل ہے۔ جتنی باتیں وہاں کے متعلق سننے میں آتی ہیں کہیں اور کے لئے نہیں۔ یہ آخر ش سہارنپور کے قریب کی برکت نہیں تو اور کیا ہے؟ جرم کو جرم اور خطا کو خطا کہیئے لیکن بد گوشت کے ساتھ صالح اور صحت مند حصّے کا اپریشن یہ کہاں کی دانشمندی ہے؟ جن اعراس میں بدعات و منکرات نے جگہ بنالی ہو نہ صرف اس کی نشاندہی بلکہ اس کا مٹانا ہی از بس ضروری ہے مگر ہم دین میں اس لہو و لعب اور دو رخی پالیسی کے قائل نہیں کہ جہاں داخلہ ممنوع ہو یا آمدنی کے ذرائع نہ ہوں وہاں آپ لنگوٹ باندھ کر گنبد کو ڈھانے اور مزار کو اکھاڑنے پر کمر بستہ ہوں اور بہرائچ شریف[1] جیسی جگہ جہاں کے مرغ، چادر، چڑھاوے میں آپ کا خاطر خواہ حصّہ ہو وہاں آپ جبہ و دستار میں کھڑے ہو کر زائرین کو ہدایت کر رہے ہوں کہ چراغی کا پیسہ یہاں اور تو یہ کا وہاں ع

اللہ رے خود ساختہ قانون کا نیرنگ
جو بات کہیں فخر وہی بات کہیں ننگ

---

[1] ہر سال آستانہ بہرائچ مولوی ابو الوفا اور مولوی ابو القاسم شاہجہانپوری مرغ، چادر، چڑھاوے اور نذرانہ کے لئے حاضر ہوتے ہیں تفصیل "خون کے آنسو" میں دیکھئے۔ کتاب خون کے آنسو مکتبہ فریدیہ سے طلب فرمائیں۔

ہم اس مقام پر پہنچ کر یہ شکوہ کئے بغیر نہیں رہ سکتے کہ آج بہت سی خانقاہوں کا دینی معیار افسوسناک حد تک نیچے پہنچ چکا ہے۔ ان کی سنیت محض چادر گاگر، نیاز و فاتحہ تک محدود ہے۔

محفل قل میں گروانی لبس وہیں رکھی جاتی جہاں باپ دلوانے رکھی ہو اگر یہ ادا عقیدت بہ نیت خیر جو التزام مالا یلتزم نہ ہو تو اسے بھی ہم بہ نظر استحسان دیکھتے ہیں لیکن یہ کیا تماشہ ہے کہ عرس ختم ہوتے ہی دیوبندیت سے گٹھ جوڑ ہو جاتا ہے۔ یہ صحیح ہے کہ خانقاہ کا دروازہ ہر ایک کے لئے کھلا ہے لیکن خود خانقاہ کا بھی ایک دینی مزاج ہوتا ہے۔ ایسا نہیں کہ

ع۔ با مسلماں اللہ اللہ یا برہمن رام رام

خانقاہ میں ہر مذہب و ملت اور مختلف مسلک و مشرب کے آنے جانے کا یہ معنی نہیں کہ خود خانقاہ کی کوئی دینی اسپرٹ نہ ہو۔ چنانچہ ایسی خانقاہوں کے مریدین، معتقدین اور متوسلین بھی تماشائی کے بیگن ہو کے رہ جاتے ہیں۔ خدائے قدیر عوام کو وہ شعور عطا فرمائے جس سے وہ اس امر کی شناخت کر سکیں کہ کہاں کا عرس دین کے تقاضوں کو پورا کرتا ہے اور کہاں کا عرس محض بعض سیاسی و معاشی مصلحتوں کی بنیاد پر قائم ہے۔

اختتام گفتگو پر اس معذرت کے ساتھ رخصت ہو رہا ہوں کہ "ہند کے راجہ اوّل" میں سرکار غریب نواز کے حالات پر کوئی سیر حاصل گفتگو نہ ہو سکی بلکہ محض چند سطروں میں بطور تبرک انھیں شریک کر لیا گیا ہے۔ خدائے قدیر نے توفیق بخشی تو جلد دوم میں یہ کمی پوری کر دی جائے گی۔

بس یوں سمجھئے کہ جلد اوّل میں اجمیر کی سیر کرنی ہے اور جلد دوم میں خواجۂ اجمیر کے جمال کا نظارہ کرنا ہے۔

ہم سب کی طرف سے ہند کے راجہ سرکار خواجہ کی بارگاہ میں یہ ایک نذرانۂ محبت ہے

زچشم آستین بردار د گوہر را تماشا کن

ایک غزوہ

امیر حبیب مشتاق احمد نظامی

۲۰ مارچ ۱۹۶۶ء

دیباچہ

ان کا ذکر، ان کی تمنا، ان کی یاد
وقت کتنا قیمتی ہے آج کل

والدین آپ کے والد خواجہ غیاث الدین عابد و زاہد اور متقی و پرہیزگار تھے۔ آپ کا مزار مبارک بغداد شریف میں متصل دروازہ شام ایک پختہ حجرہ میں واقع ہے، جہاں مجاور رہتے ہیں۔ حجرہ کی عمارت پرانی اور بوسیدہ ہو گئی ہے، مزار مبارک زیارت گاہ خلائق ہے۔

آپ کی والدہ ماجدہ کا اسم مبارک بی بی ام الورع بقول دیگر ماہ نور خاص الملکہ ہے۔ آپ داؤد بن عبداللہ الحنبلی کی صاحبزادی ہیں۔ حضرت خواجہ کے دو حقیقی بھائی تھے۔

حضور غوث پاک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے آپ کا رشتہ یا تو خالہ زاد بھائی کا یا ماموں زاد بھائی کا ہے۔

آپ کا نسب نامہ پدری خواجہ معین الدین ابن سید غیاث الدین بن سید سراج الدین بن سید عبداللہ بن سید عبدالکریم بن سید عبدالرحمان بن سید علی اکبر بن سید ابراہیم بن امام موسیٰ کاظم بن امام جعفر صادق بن امام محمد باقر بن امام زین العابدین بن حضرت امام حسین بن حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔

نسب نامہ مادری بی بی ام الورع (یا بی بی ماہ نور یا بی بی خاص الملکہ) بنت سید داؤد بن سید عبداللہ الحنبلی بن سید زاہد بن سید مورث بن سید داؤد بن سیدنا موسیٰ جون بن سیدنا عبداللہ محض بن سیدنا حسن مثنیٰ بن سیدنا حضرت امام حسن بن سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔

ولادت مبارکہ سنہ ولادت میں عام مورخین و تذکرہ کا اختلاف ہے ۵۲۲ھ، ۵۲۷ھ، ۵۳۳ھ، ۵۳۵ھ، ۵۳۶ھ، اور ۵۳۷ھ تک کی روایتیں ملتی ہیں۔ غالب رجحان ۵۲۰ھ کا ہے۔

اسم گرامی اور القاب و خطابات

آپ کا اسم گرامی "معین الدین" ہے۔ کہا جاتا ہے کہ والدین کے پکارنے کا نام "حسن" ہے

اس لئے بعض لوگ "معین الدین حسن" کو پورا نام تصور کرتے ہیں۔

بارگاہ الٰہی میں آپ کی مقبولیت کا یہ حال تھا کہ بعد وصال یہ قدرت نے آپ کی پیشانی پر بخط نور "ھذا حبیب اللّٰہ" لکھا اور بارگاہ رسالت سے "قطب المشائخ بر و بحر" کا خطاب عطا ہوا، ویسے حسب ذیل خطابات سے آپ کو یاد کیا جاتا ہے۔

خطابات ہند الولی، عطائے رسول، خواجہ خواجگان بزرگ غریب نواز، سلطان الہند، نائب رسول فی الہند۔

القاب معین الحق، معین الملۃ، سلطان العارفین، قطب دوراں، وارث الانبیاء والمرسلین، محب الاولیاء زماں، امام شریعت و طریقت، مخزن معرفت، مقتدائے ارباب دین، پیشوائے ارباب یقین، صاحب اسرار، مہبط انوار، عالم علم ظاہری و باطنی، واقف رموز صوری و معنوی، قدوۃ السالکین، تاج المقربین والمحققین، سید العابدین، امام العارفین، ختم کاملین، تاج العاشقین برہان الواصلین، پناہ بیکساں، آفتاب جہاں، قدوۃ الاولیاء، برہان الاصفیاء۔

چشتی کہلانے کی وجہ تسمیہ خواجہ ابواسحاق شامی جب بقصد حصول بیعت حضرت خواجہ ممشاد علو دینوری کے پاس بغداد شریف حاضر ہوئے اور شرف بیعت سے مشرف ہوئے تو خواجہ ممشاد علو دینوری نے دریافت فرمایا۔ تمہارا نام کیا ہے؟ عرض کیا اس عاجز کو ابواسحاق شامی کہتے ہیں۔ آپ نے فرمایا آج سے ہم تجھے ابواسحاق چشتی کہیں گے اور جو بھی تمہارے سلسلہ ارادت میں داخل ہوگا وہ بھی چشتی کہلائے گا۔ چونکہ آپ بھی سرکار غریب نواز کے مشائخ میں سے ہیں۔ اس لئے آپ کو چشتی کہا جاتا ہے۔

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق
ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

خدا، قدیر میرے غریب نواز کے پرچم اقبال کو ہمیشہ بلند رکھے اور ان کی عزت و آبرو کے گن گانے والوں کو شاد و کام و بامراد رکھے۔

یہ وہ در ہے جس در سے سب کو بھیک ملا کرتی ہے۔ آنکھوں میں نمی آئی اور ان کا دل پسیجا۔ وہ اپنے لمبے لمبے ہاتھوں سے ہر سائل کو بھیک دیا کرتے ہیں۔ کوئی اس در سے خالی نہیں جاتا، خواہ اسے احساس ہو یا نہ ہو، یہ ان کے شان کرم کے خلاف ہے کہ اپنے در سے کسی کو خالی

واپس کردیں۔

ناظرین اس غلط فہمی میں مبتلا نہ ہوں کہ ہم غریب نواز یا دیگر اولیاء کرام کو خدا یا خدا کا بیٹا یا خدا جیسی طاقت کا حامل تصور کرتے ہیں۔ معاذ اللہ ثم معاذ اللہ

وہ الٰہ و معبود نہیں بلکہ اس کے بندے ہیں۔ "وہ اللہ نہیں بلکہ اللہ والے ہیں" انھیں مقرب بارگاہ ہونے کی حیثیت سے ہم اپنے رب کے درمیان انھیں وسیلہ قرار دیتے ہیں۔ اہلسنت کے مزارات پر حاضری قبر پرستی یا تعبُّد کی بنیاد پر نہیں بلکہ اکتسابِ فیض اور حصول برکات کے لئے ہے جو بطور تواتر و توارث ثابت ہے۔ اہلسنت پر قبر پرستی کا الزام محض افترا پردازی اور بہتان تراشی ہے نہ تو وہاں کوئی سجدہ کرتا ہے اور نہ ہی کسی نے سجدہ کو جائز قرار دیا ہے۔

اولیائے کرام کے دامن کرم سے دُور رکھنے کے لئے شرپسندوں نے غلط پروپیگنڈے کا طومار مچا رکھا ہے۔ حالانکہ اب ان کی شرپسندی بالکل بے نقاب ہو چکی ہے اور ان کی اولیاء دشمنی پر عوام و خواص دونوں مطلع ہو چکے ہیں۔

ایک بعد ہی مختصر سی گفتگو کے بعد اب یہ سلسلہ یہیں ختم کیا جاتا ہے۔

اب آئیے اجمیر کی سیر کریں اور ان کی بارگاہ میں حاضر ہونے والوں کی فہرست کا ایک سرسری جائزہ لیں۔ سب سے پہلے بنت شاہجہاں "جہاں آرا بیگم" کا سفر اجمیر درج کیا جاتا ہے جسے خود اس نے قلمبند کیا ہے۔

اب تصور کی دُنیا میں ڈوب کر اجمیر کی گلیوں میں گم ہو جائیے۔

منقبت بہادر شاہ ظفر

ھند کے آخری تاجدار بہادر شاہ ظفر کے
منقبت کے دو بند ہدیۂ ناظرین ھیں ——

تم ہو یا خواجہ معین سروران حق پرست
تم ہو رمز آگاہ کن اور واقفِ سرِّ الست
تم مددگار ظفر ہو کیوں ظفر کو ہو شکست
پھر فلک کی دیکھ گردش کانپتے ہیں پا و دست
یا معین الدین چشتی دستگیری لازم است

خاک پہ پڑے جو کہ ہل سکتا نہ ہو جوں نقش پا
تم اٹھاؤ تو وہیں ہو وہ سنبھل کر اٹھ کھڑا
عیسیٰ جاں بخش تم ہو اور خضر راہنما
دردمندِ دل کی دوا ہو ناتواں کے ہو عصا
یا معین الدین چشتی دستگیری لازم است



بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی حَبِیْبِہِ الَّذِیْ اصْطَفٰی

دربار خواجہ میں

سلاطین اور امراء وغیرہ کی حاضری

خواجہ لامکاں و تقدس مقام

آسماں آستاں معین الدیں

حضرت نیاز بریلوی

ناظرین کی ضیافت طبع اور قلب و جگر میں سوز و گداز پیدا کرنے کی خاطر ایک عقیدت کیش کی نیازمندانہ حاضری، جسے خود اس نے آپ بیتی کے تحت سپرد قلم کیا ہے اس کی چند سطریں حاضر کرتا ہوں" وہ ہے شاہجہاں کی نورنگاہ چہیتی بیٹی شہزادی جہاں آرا بیگم ۔ ۱۰۵۳ھ میں جہاں آرا اپنے والد بزرگوار شاہجہاں کے ہمراہ اجمیر مقدس حاضر ہوئی ۔ جس کا خلاصہ مونس الارواح سے بحوالہ معین الارواح درج کیا جاتا ہے اور بھی بہت سی کتابوں کو سامنے رکھ کر معین الارواح کو میں نے اپنا ماخذ قرار دیا ہے۔

" میں بتاریخ ۱۸ شعبان والد بزرگوار کے ہمراہ آگرہ سے اجمیر روانہ ہوئی اور ۷ رمضان المبارک ۱۰۵۳ھ کو وہاں پہنچی۔ اس تمام عرصہ میں میرا معمول یہ رہا کہ ہر منزل پر دو رکعت نماز نفل ادا کرنے کے بعد سورہ یٰسین اور سورہ فاتحہ نہایت اخلاص و عقیدت مندی سے پڑھ کر اس کا ثواب حضرت خواجہ بزرگ کی روح پرفتوح کی نذر کرتی رہی۔ کچھ دنوں تالاب آناساگر کی عمارت میں قیام رہا۔ اس عرصہ میں بپاس ادب و تعظیم کبھی پلنگ پر نہیں سوئی اور نہ روضہ منورہ کی جانب کبھی پشت و پاؤں کئے۔ دن بھر درختوں کے سایہ میں گزار دیتی تھی۔ آنحضرت کی برکت اور اس زمین کے اثر فیض سے جمعیت خاطر اور ذوق پیدا ہوگیا۔ ایک شب میں نے مولود اور خوب چراغاں کیا۔ زینت و خدمت روضہ

ئے لئے جو کچھ ملا اور ملے گا اس میں کمی نہیں کروں گی۔ الحمد للہ والمنۃ وصد ہزار شکر کہ جمعرات کے دن بتاریخ ۱۴ رمضان المبارک حضرت پیر دستگیر کے مرقد منورہ کی زیارت نصیب ہوئی۔ ایک پہر دن رہ گیا تھا کہ حاضر بارگاہ سعادت پناہ ہوئی۔ گنبد شریف میں حاضر ہوکر سات مرتبہ مزار مبارک کا طواف کیا۔ بعدازاں اپنی پلکوں سے جھاڑو دی۔ مزار مبارک کی خاک وخوشبو کو سرمۂ چشم بنایا۔ اس سے دل پر جو ذوق وشوق کی حالت وکیفیت طاری تھی وہ تحریر میں نہیں آسکتی ہے۔ نہایت شوق سے میں سراسیمہ ہوگئی۔ کچھ سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ کیا کہوں اور کیا کروں۔ القصہ میں نے قبر شریف پر عطر اپنے ہاتھوں سے ملا اور چادر گل جو میں اپنے سر پر رکھ کر لائی تھی مزار شریف پر پیش کی۔ بعدازاں سنگ مرمر کی مسجد میں آکر نماز پڑھی۔ یہ مسجد دو لاکھ چالیس ہزار روپیہ صرف کرکے والد بزرگوار نے تعمیر کرائی تھی پھر گنبد مبارک میں بیٹھ کر سورہ یٰسین وسورہ فاتحہ حضرت خواجہ کی روح پر فتوح پہ پڑھی اور مغرب تک وہاں حاضر رہی اور آنحضرت کے یہاں شمع روشن کرکے جھالرہ کے پانی سے روزہ افطار کیا۔ عجیب شام تھی جو صبح سے بہتر تھی۔ اگرچہ اس متبرک مقام اور مخزن فیوض سے گھر آنے کو جی نہیں چاہتا تھا مگر مجبور تھی ؎

رشتہ در گردنم افگندہ دوست
میبرد ہر جا کہ خاطر خواہ اوست

اگر خود مختار ہوتی تو ہمیشہ اسی گوشۂ عافیت میں بسر کرتی۔ ناچار روتی ہوئی اس درگاہ سے رخصت ہوکر گھر آئی۔ تمام رات بیقراری میں کٹی۔ صبح کو جمعہ کے دن والد بزرگوار کے ساتھ آگرہ روانہ ہوگئی۔"

جب بات آہی گئی تو چند اور سلاطین، امراء اور حکام کی بارگاہ خواجہ میں حاضری کا تذکرہ کردیا جائے جس سے اس امر کا بخوبی اندازہ ہوسکے کہ سلطان الہند کا آستانہ ہمیشہ مرجع خلائق رہا۔ علماء، مشائخ، بادشاہ، والیان ریاست، نواب، راجہ، امیر وغریب، درویش و فقیر ہر دور میں حاضر دربار ہوکر فیوض وبرکات سے مالا مال ہوتے رہے۔ جس کا سلسلہ آج تک جاری ہے۔

سلطان شہاب الدین غوری

پرتھوی راج کو شکست دینے کے بعد سلطان شہاب الدین غوری اجمیر مقدس حاضر ہوا اور خواجۂ خواجگان سرکار معین الدین اجمیری

نورالله مرقدہ کے دست حق پرست پر بیعت بھی کی۔

سلطان شمس الدین التمش سلطان التمش کو خواجہ بزرگ سے بے پناہ عقیدت تھی۔ حضرت خواجہ کی خدمت میں حاضری کا شرف حاصل کرنے کے بعد آپ سے معرفت کی تعلیم بھی حاصل کی۔

سلطان محمود خلجی نواح ہارونی کی کسی جماعت کا ایک عریضہ محمود خلجی کی نظر سے گزرا۔ جس میں یہ تحریر تھا کہ اسلام کی ابتدا ہندوستان میں اجمیر سے ہوئی۔ جو خواجہ معین الدین حسن رحمتہ اللہ علیہ کی خوابگاہ ہے۔ چونکہ اب یہ مقام غیر مسلموں کے قبضہ میں آگیا ہے اس لئے اسلام اور شعائر اسلام کی بے حرمتی ہو رہی ہے۔ سلطان عریضہ کے مضمون سے مطلع ہو کر حضرت خواجہ کی روح پرفتوح سے امداد کا طالب ہوا۔ حتیٰ کہ اجمیر پہنچکر معرکہ آرائی ہوئی۔ قلعہ کا سردار گجادھر مع راجپوتوں کے قلعہ سے باہر نکلا۔ طرفین میں چار دن تک جنگ رہی۔ پانچویں روز گجادھر مارا گیا۔ محمود خلجی کی فتح ہوئی۔ اپنی فتح و نصرت پر بادشاہ سجدہ شکر بجالایا۔ اور روضہ مبارکہ کا طواف کر کے ایک مسجد "مسجد صندل خانہ" تعمیر کرائی۔ مزار مبارک کے خدام اور مجاوروں کو انعام و اکرام دے کر خود منڈل گڑھ کی طرف روانہ ہوا اور خواجہ نعمت اللہ کو سیف خاں کا خطاب دیکر والی اجمیر بنا گیا۔

سلطان ظفر خاں منڈل گور (مانڈل) کے مسلمانوں پر راجپوتوں کے حملے کی خبر پاکر ادھر متوجہ ہوا۔ اس نواح کا راجہ قلعہ میں بند ہو گیا تھا۔ مگر طاعون پھیل جانے سے راجہ نے مجبور ہو کر ظفر خاں کی خدمت میں عجز و نیاز کے لئے بھیجا۔ بادشاہ نے اسے تائید غیبی سمجھ کر اس کی عرضداشت کو شرف قبول سے نوازا اور اس کی پیشکش قبول کر کے سرکار غریب نواز کے آستانہ گرامی کی زیارت کے لئے اجمیر روانہ ہوا اور سلطان الہند کی روح پرفتوح سے غیر مسلموں پر فتح و نصرت کی مدد چاہی اس کے بعد بھیلواڑہ کی طرف روانہ ہو گیا۔

شہزادہ بہادر خاں سلطان مظفر بن سلطان بیگرہ گجراتی بن سلطان محمد شاہ ۹۱۶ھ میں تخت نشین گجرات ہوا۔ اس کے دو لڑکے تھے۔ شہزادہ سکندر اور شہزادہ بہادر خاں شہزادہ بہادر خاں باپ سے ناراض ہو کر چتوڑ گڑھ ہوتا ہوا ۹۳۱ھ میں خواجہ خواجگان سلطان الہند کے مزار پرانوار کی زیارت کے لئے روانہ ہوا۔ آستانہ غریب نواز سے فیضیاب ہو کر شہزادہ بہادر خاں میوات چلا گیا۔ آخرکار ۹۳۲ھ میں گجرات کا بادشاہ ہوا اور ۹۴۳ھ تک حکومت کی۔ ہمایوں نے ۹۴۳ھ میں اس پر غلبہ پاکر گجرات پر قبضہ کر لیا۔

شیر شاہ سوری | شیر شاہ راجہ مالدیو حاکم مارواڑ کو شکست دینے کے بعد ۱۵۴۴ء میں درگاہ سرکار خواجہ معین الدین میں زیارت کیلئے حاضر ہوا اور غرباء و فقراء پر کافی رقم تقسیم کرنے کے بعد آداب آستانہ کے تحت جملہ مراسم ادا کئے جس میں طواف بھی شامل تھا۔ حاضری کے بعد تارا گڑھ کی پہاڑی پر گیا۔ پانی کی کمی تھی اس لئے اس نے معمار مقرر کئے کہ چشمہ حافظ جمال سے قلعہ پر پانی پہنچائیں اور اس کا نام شیر چشمہ رکھا۔ سہسرام میں شیر شاہ کا تاریخی مقبرہ ہے۔

سُلطان جلال الدین اکبر | اکبر نے متعدد بار سرکار خواجہ غریب نواز رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بارگاہ کرم میں حاضری دی ہے۔ ان میں سے بعض کی تفصیل بحوالہ معین الارواح حسب ذیل ہے۔

اکبر دار الخلافہ آگرہ سے فتحپور سیکری کی طرف شکار کے لئے جا رہا تھا۔ جب موضع منڈ ہا کے قریب پہنچا تو خواجہ بزرگ کے مناقب اس کے سامنے گائے گئے۔ سلطان الہند کے زہد و ورع، کمالات و کرامات اور روحانی تصرفات کا تذکرہ پہلے بھی اس کی مجلس میں ہو چکا تھا۔ اس لئے خواجہ غریب نواز کے روضہ کی زیارت کا شوق اس کے دل میں پیدا ہوا۔ اور عین شکارگاہ میں اس نے اجمیر معلیٰ جانے کا قصد کر لیا۔ چنانچہ ۸ رجمادی الاول ۹۶۹ھ بروز چہار شنبہ اپنے ہمراہیوں کے ساتھ اجمیر روانہ ہوا۔ اجمیر پہنچکر اس نے روضہ غریب نواز کی زیارت کی۔ اس کے بعد آگرہ روانہ ہوا۔

۹۷۵ھ میں اکبر نے "قلعہ چتوڑ" فتح کرنے کا ارادہ کیا اور یہ منت مانی۔ اگر قلعہ فتح ہو گیا تو میں پاپیادہ حضرت خواجہ معین الدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زیارت کے لئے اجمیر جاؤں گا۔ چنانچہ فتحیابی کے بعد ۹ رشعبان ۹۷۵ھ وہ پاپیادہ اجمیر روانہ ہوا۔ اور اجمیر مقدس پہنچ کر ۱۷ ر رمضان المبارک ۹۷۵ھ روضہ کی زیارت کی۔ اجمیر میں دس دن قیام کرنے کے بعد آگرہ روانہ ہو گیا۔

۹۷۶ھ میں تھنبور فتح کرنے کے بعد اکبر نے پھر اجمیر شریف حاضری دی اور سرکار غریب نواز کے آستانہ کی زیارت کے بعد آگرہ پہنچ کر حضرت شاہ سلیم چشتی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی خدمت میں فتحپور سیکری حاضر ہوا۔ اس سے پہلے اکبر کے یہاں چند لڑکے پیدا ہو کر مر چکے تھے۔ چنانچہ حضرت شاہ سلیم چشتی علیہ الرحمۃ نے زندہ لڑکے کے پیدا ہونے کی بشارت سنائی۔ اور اسی زمانہ میں بیگم حاملہ ہوئی۔ اکبر نے یہ منت مانی تھی کہ اگر میرے لڑکا ہوگا تو حضرت خواجہ بزرگ کے آستانہ پر پاپیادہ حاضری دوں گا۔ چنانچہ ۱۷ ربیع الاول ۹۷۷ھ بروز چہار شنبہ عارف باللہ حضرت شیخ سلیم چشتی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مکان پر فتحپور سیکری میں جہانگیر پیدا ہوا تو اکبر ۱۲ شعبان ۹۷۷ھ بروز جمعہ آگرہ

سے پا پیادہ اجمیر مقدس کے لئے روانہ ہوا اور وہاں چند روز قیام کیا۔ آستانہ غریب نواز کے مجاوروں کو بہت سے تحائف پیش کئے۔

بتاریخ ۳ محرم الحرام ۹۷۸ھ اکبر کے یہاں دوسرا بیٹا پیدا ہوا۔ بادشاہ نے اس کا نام محمد مراد رکھا اس سال بھی بادشاہ نے اجمیر شریف کا سفر کیا اور خواجہ بزرگ کے روضے کا طواف کیا۔

یکم صفر ۹۷۹ھ میں اکبر حصار فیروزہ کا تماشا دیکھنے گیا۔ وہاں کی واپسی میں اجمیر شریف حاضر ہوا۔ اور حضرت سلطان الہند کے روضہ کی زیارت سے مشرف ہو کر آگرہ پہنچا۔

۲۰ صفر ۹۸۰ھ میں اکبر شکار کھیلتا ہوا اجمیر روانہ ہوا اور ۱۵ ربیع الاول شریف بروز سہ شنبہ مزار مقدس کی زیارت سے بہرہ ور ہوا۔

۳ جمادی الثانی ۹۸۱ھ بہ شب چہار شنبہ اکبر اجمیر پہنچا اور سلطان الہند کی درگاہ میں حاضر ہو کر شرائط طواف و لوازم استمداد بجالایا۔ اور تقریباً دو لاکھ نقد و جنس مجاوروں و دیگر مستحقین پر تقسیم کئے۔

اوائل رمضان ۹۸۲ھ میں اکبر اجمیر شریف حاضر ہو کر لوازم زیارت و شرائط طواف بجالایا۔

۹۸۳ھ میں اکبر پھر اجمیر مقدس حاضر ہوا اور سلطان الہند کی زیارت سے مستفیض ہوا۔

۷ ذوالقعدہ ۹۸۴ھ میں اکبر فتحپور سیکری سے روضۂ غریب نواز کے طواف کی غرض سے اجمیر روانہ ہوا۔ ۴ ذی الحجہ بروز سہ شنبہ اجمیر سے ۳ میل کے فاصلے پر مقام کیا۔ پھر وہاں سے پا پیادہ روانہ ہو کر آستانہ عالیہ پہنچا اور دس ہزار روپے خدام و مجاوروں کو عنایت کئے۔ اسی سال اکبر پھر اجمیر شریف گیا اور شکار کھیلتا ہوا دکن کی سرحد تک پہنچا اور وہاں سے فتحپور سیکری کا رُخ کیا۔

اس کے بعد اکبر نے ۹۸۵ھ اور ۹۸۷ھ میں غریب نواز کے آستانے پر حاضری دے کر حضرت بابا فرید گنج شکر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مزار کی زیارت کے لئے پنجاب روانہ ہوا۔

شہباز خاں — آپ کا سلسلۂ نسب ۲۶ واسطوں سے حضرت عبداللہ ابن زبیر تک پہنچتا ہے۔ آپ کے اجداد میں حاجی جمال الدین علیہ الرحمہ عرب سے ہندوستان آکر شیخ بہاؤالدین ذکریا ملتانی کے مرید ہوئے۔ ۹۸۵ھ میں اکبر نے آپ کی اور مرزا خان و قاسم کی سرکردگی میں اودے پور کی طرف فوج روانہ کی تھی اس نے کونبھل میر کو فتح کیا۔ ۹۸۶ھ میں اودے پور فتح کیا اور ۹۸۸ھ میں اکبر نے اجمیر کے سرکشوں کو زیر کرنے کے لئے آپ کو اجمیر بھیجا۔ ۱۰۰۸ھ آپ کا اجمیر میں وصال ہوا۔ چونکہ سرکار غریب نواز سے آپ کو عقیدت تھی۔ اس لئے آپ نے حضرت خواجہ کی درگاہ میں دفن کرنے کی وصیت کی تھی مگر خدام روضہ راضی نہ ہوئے اور روضہ کے باہر آپ کو دفن کر دیا گیا۔ اسی شب حضرت سرکار

غریب نواز نے متوسلین درگاہ کو عالم رویا میں تاکید فرمائی کہ شہباز خاں ہمارا دوست ہے اس کو شمال رویہ گنبد میں جگہ دو۔ چنانچہ صبح بہ منت و سماجت ان کی نعش قبر سے نکال کر اسی مقام پر دفن کی گئی جہاں کے لئے ارشاد فرمایا گیا تھا۔

جس وقت جہانگیر نے آستانۂ غریب نواز پر حاضری دی مرزا محمد علی بیگ بھی حاضر دربار خواجہ ہوئے۔ ان کو شہباز خاں سے بڑی محبت تھی۔ شہباز خاں کی قبر کو دیکھ کر قبر سے لپٹ گئے اور کہنے لگے "یہ ہمارا قدیمی دوست ہے" اور اسی وقت وہ بھی جاں بحق تسلیم ہو گئے۔

سلطان نورالدین جہانگیر

یہ بادشاہ تخت نشین ہونے کے بعد آٹھویں سال ۱۰۲۲ھ میں اجمیر روانہ ہوا۔ جب قلعہ اور عمارات خواجہ بزرگوار نظر آنے لگیں اور اجمیر تقریباً ۳ میل کے فاصلے پر رہ گیا تو پیادہ پا روانہ ہوا اور فقراء و مساکین پر مال و زر تقسیم کرایا۔

سلطان شہاب الدین شاہجہاں

شاہجہاں نے اپنے اکیس سال کے عہد حکومت میں پانچ مرتبہ آستانۂ غریب نواز پر حاضری دی۔

سلطان محی الدین اورنگ زیب

اورنگ زیب علیہ الرحمہ نے اس وقت اجمیر شریف حاضری دی جب دارا شکوہ نے قلعہ تارا گڑھ پر مورچہ بندی کر کے عالمگیر کے لشکر سے مقابلہ کیا۔ ۲۰؍ جمادی الاخری ۱۰۶۸ھ حضرت سرکار غریب نواز کے آستانہ پر حاضر ہو کر مزار پرانوار کا طواف کیا۔ اور پانچ ہزار روپیہ آستانۂ عالیہ کے مجاورین پر تقسیم کئے۔

پھر ۱۸؍ محرم الحرام ۱۰۹۰ھ میں حاضری دی اس کے بعد ۲۹؍ شعبان ۱۰۹۰ھ میں حاضری دے کر محلات جہانگیری کی جانب سے مبلغ پانچ ہزار روپے نذر کئے پھر آخری بار یکم ربیع الاول شریف ۱۰۹۱ھ وارد اجمیر ہوئے اور سب سے پہلے پا پیادہ آستانۂ اقدس پر حاضری دی۔

لارڈ کرزن وائسرائے ہندوستان

۱۹۰۲ء میں لارڈ کرزن نے آستانۂ غریب نواز پر حاضری دی۔ بلا تفریق مذہب و ملت غریب نواز کو مرجع خلائق دیکھ کر اس نے یہ لکھا "میں نے ہندوستان میں ایک قبر کو شہنشاہی کرتے دیکھا"۔

شاہ افغانستان امیر حبیب اللہ خاں

۱۹۰۷ء میں آپ نے آستانۂ غریب نواز کی حاضری کا شرف حاصل کیا۔ آپ درگاہ شریف میں چیف کمشنر اور دیگر حکامان برطانیہ کے ساتھ حاضر ہوئے۔ متولی، دیوان، اور خدام صاحبان نے آپ کا استقبال کیا لیکن کسی طرف متوجہ نہیں ہوئے۔ پہلے سیدھے قبر شریف میں حاضر ہوئے اور دروازے بند کر دئے گئے اور سب کو اندر

آنے سے روک دیا گیا۔ آپ تقریباً ڈیڑھ گھنٹے تک گنبد شریف میں حاضر رہے۔ اس کے بعد متولی صاحب اور دیوان صاحب وغیرہ سے مصافحہ کیا اور ہمکلام ہوئے۔

نواب حامد علی خاں والیٔ رامپور جاورہ جاتے ہوئے اپنی اسپیشل ٹرین اجمیر کے اسٹیشن پر ٹھہرائی اور دربارِ غریب نواز میں حاضری دی۔ بیگمی دالان میں دروازے کے سامنے بہت دیر تک سر جھکائے روتے رہے۔ تقریباً ایک گھنٹہ اسی طرح آستانۂ غریب نواز پر رو رو کر منت و سماجت کرتے رہے۔ نواب خواجہ محمد خاں صاحب جاگیردار دھولپور بھی نواب رامپور کے ساتھ تھے۔ اگرچہ نواب حامد علی خاں اہل تشیع سے تھے بایں ہمہ آستانۂ غریب نواز کے عقیدت کیش تھے۔

میر عثمان علی خاں نظام حیدرآباد دکن ۱۶ر اکتوبر ۱۹۱۲ء میں آپ نے آستانۂ غریب نواز پر حاضری کی سعادت حاصل کی۔ غربا و مساکین کو کھانا کھلوایا، لنگر عام تھا۔ ہزار ہا روپے وہاں تقسیم کئے اور ایک عظیم الشان صدر دروازہ تعمیر کرنے کا حکم دیا۔

پھر آپ نے دوبارہ ۳ر نومبر ۱۹۱۲ء میں حاضر دربار ہوئے۔ اس وقت دروازہ عثمانی گیٹ زیر تعمیر تھا۔ جامع مسجد اور گنبد شریف کے اندرونی حصے کی آپ نے مرمت کرائی۔ سنگ مرمر کی اگردانی اور مرمریں چراغ دان تعمیر کرایا۔ دونوں جھالروں کو ایک کرایا۔ مزار شریف کے بائیں جانب چاندی کی تختی پر سونے کے حروف میں لکھا ہوا ذیل کا شعر آپ ہی کا نذر کردہ ہے۔

گر بگذرم بخاطرِ پاک تو باک نیست
خاشاک بیں کہ بر سرِ دریا گذر کند

گنبد شریف کے اندر ہر ایک شمع دان میں ایک ایک موم بتی آپ ہی کی طرف سے روشن ہوتی تھی۔ روزانہ ایک وقت دلیہ کا لنگر اور ایام عرس میں دو دیگیں بھی آپ کی طرف سے پکائی جاتی تھیں۔ اب ۱۹۴۷ء سے یہ سلسلہ بند ہے۔

مہاراجہ گوبند سنگھ والیٔ ریاست دتیا آستانۂ عالیہ پر حاضر ہو کر عطر میں بسی ہوئی پھولوں کی چادر اپنے سر پر رکھ کر مزار شریف پر پیش کی۔ اپنی بحالی کی دعا مانگی اور غریب نواز کے فیض بخشیوں سے کامیاب و بامراد ہوئے۔

مہاراجہ سرکشن پرشاد صدر اعظم دولت آصفیہ حیدرآباد دکن ۲۳ر دسمبر ۱۹۲۴ء مع اہل و عیال دربار خواجہ میں حاضر ہوئے اور مورچھل جھلنے کی خدمت بجالائے۔

مہاراجہ سر کشن پرشاد شاعر بھی تھے اور شاؔد تخلص تھا۔ چنانچہ سرکار غریب نواز کے آستانہ پر حاضر ہو کر حسب ذیل قطعات بھی کہے۔

قطعات ؎

جھکتے ہیں شاہوں کے سر خواجہ کی وہ سرکار ہے   ہیں ملک دربان وہ شاہِ چشت کا دربار ہے
شاؔد کیا پرواہ ہو بال ہما کی تجھ کو اب   خواجۂ اجمیر کا تو مورچھل بردار ہے

مورچھل جھلنے کی خدمت مل گئی   شاؔد کو دنیا کی عزت مل گئی
بارگاہِ خواجۂ اجمیر سے   وکلید گنج قسمت مل گئی

ہند کے سلطان تم ہو مصطفےٰ کا واسطہ   پنجتن کا واسطہ آل عبا کا واسطہ
شاؔد اس در کا رہے سائل دیجئے دل کی مراد   یا معین الدین اجمیری خدا کا واسطہ

آنجہانی پنڈت جواہر لال نہرو — ۱۹۴۵ء میں آستانۂ غریب نواز پر حاضری دی۔ غلام حسین عرف طوطی قوال سے درگاہ معلی میں قوالی سنی۔ دوسری مرتبہ فسادات اجمیر کے زمانہ ۱۹۴۷ء میں حاضر آستانہ ہوئے۔ اس موقع پر پنڈت جی نے تقریر کی اور عمارات درگاہ کی حفاظت کا انتظام کیا۔

سردار عبدالرب نشتر گورنر پنجاب — ۱۹۴۶ء میں آستانۂ غریب نواز پر حاضری دی۔

راجگوپال آچاریہ سابق گورنر جنرل بھارت — ۹ر فروری ۱۹۴۹ء میں خواجہ غریب نواز کے آستانۂ گرامی پر حاضر ہوئے۔

کری آپا کمانڈر انچیف — ۲۰ر نومبر ۱۹۵۰ء حاضر دربار ہوئے۔

ڈاکٹر راجندر پرشاد سابق صدر جمہوریہ بھارت سرکار — ۱۳ر فروری ۱۹۵۱ء میں حاضر آستانہ سرکار غریب نواز ہوئے۔

سابق لفٹننٹ بلبیر سنگھ | ۱۹۵۱ء میں حاضری دی۔

اگر اس فہرست کو طول دیا جائے تو بجائے خود ایک مستقل کتابچہ کی حیثیت ہوجائے گی۔ ویسے اپنے اپنے عصر میں شہزادہ دارا شکوہ، سلطان غیاث الدین، سلطان مانڈو، شہزادہ شجاع اور شہزادہ فرخ سیر یہ بھی آستانۂ خواجہ کے نیاز مند و عقیدت کیش رہے۔

والیٔ ریاست ٹونک، والیٔ ریاست جاورہ، والیٔ ریاست کورائی وغیرہ بھی نیاز مندوں میں سے ہے۔

ملک کے ممتاز لوگوں میں آزادیٔ ہند کے ہیرو گاندھی جی، مولانا محمد علی جوہر، مولانا حسرت موہانی، جگر مراد آبادی، جوش ملیح آبادی، قاضی عبد الغفار وغیرہ سبھی آستانۂ غریب نواز پر حاضر ہوچکے ہیں۔

اہلسنت کے امراء، غرباء، علماء اور مشائخ کا کہنا ہی کیا، سال بہ سال لاکھوں کی تعداد میں حاضر دربار ہو کر اپنی مخلصانہ عقیدت کیشی کا برملا مظاہرہ کرتے ہیں۔

خدا سلامت رکھے میرے بھائی مولانا سید عبد الحق صاحب اور مخدومی شیخ طریقت مولانا غلام آسی صاحب ابوالعلائی کو جن کے ساتھ غریب نواز کے شیدائیوں کا ایک قافلہ اترتا ہے ——— اب ایک خالص معاشی اور سیاسی حاضری کا ذکر کرکے اپنی گفتگو ختم کئے دیتا ہوں۔

۱۹۴۷ء کے بعد صدر دیوبند مولوی حسین احمد ٹانڈوی نے بھی آستانۂ غریب نواز پر حاضری دی تھی تاکہ اوقاف سے متعلق جمعیۃ العلماء ہند کو اپنی غاصبانہ پالیسی کی تائید و حمایت حاصل ہوسکے۔

ایسے ہی آستانہ بہرائچ پر شاہجہانپور کے گنگارام[1] اور جمنا پرشاد[2] کی حاضری محض معاشی حاضری ہے بہر نوع یہ سیاسی حاضری ہو یا معاشی! عوام اہلسنت کو یہ دریافت کرنے کا حق ہو ہی گیا، اگر مزارات کی حاضری شرک و بدعت ہے تو مولوی حسین احمد صدر دیوبند، مولوی حفظ الرحمن سیوہاروی ناظم جمعیۃ العلماء ہند اور مولوی ابوالوفا، مولوی ابوالقاسم شاہجہانپوری جو اجمیر، خواجہ قطب اور بہرائچ کے حاضر باش ہیں ان کے متعلق دیوبند کا کیا فیصلہ ہے؟

۱۔ مولوی ابوالوفا صاحب ۲۔ مولوی محمد قاسم صاحب ناظم جمعیۃ علماء ہند

معمولات ومراسم درگاہ

مدد کو رحمت پروردگار آتی ہے
پکارتا ہے اگر کوئی یا غریب نواز — قمر سلیمانی

روزانہ صبح فجر کی نماز سے تقریباً ڈیڑھ گھنٹہ قبل عقیدت کیشان خواجہ روضۂ مبارکہ کے مشرقی دروازہ کے سامنے جمع ہوتے ہیں، یہ وقت گنبد شریف کے دروازے کے کھلنے کا ہوتا ہے۔

دروازہ کھلنے سے پہلے ایک خادم دروازے کے روبرو کھڑے ہوکر اذان دیتا ہے۔ اس کے بعد کلید بردار دروازہ کھولتا ہے۔

خدام مزار پرانوار کے قریب پہنچکر مورچھل سے تربت شریف صاف کرتے ہیں، روضۂ مبارکہ کے پھول بدل کر تازہ پھول چڑھاتے ہیں، اور لوبان سلگاتے ہیں۔ اس کے بعد زائرین حاضر ہوکر سلام عرض کرتے ہیں بعدہٗ فاتحہ خوانی کی رسم ادا کرتے ہیں۔

تھوڑی دیر بعد نماز فجر کا وقت ہوجاتا ہے۔ مساجد درگاہ میں اذانیں ہوتی ہیں۔ نماز سے فارغ ہوتے ہی زائرین کا ہجوم پرے کا پرا باندھ کر حاضر ہونے لگتا ہے۔ اور اس وقت سے نماز عشاء کے ایک گھنٹہ بعد تک زائرین کی یہی کیفیت رہتی ہے۔ نماز فجر ہونے کے بعد شاہجہانی دروازہ اور عثمانی دروازہ پر روزانہ نوبت بجتی ہے۔

ظہر کی نماز کے بعد عثمانی دروازہ پر نوبت بجتی ہے۔ پہلے اس موقع پر نظام کی طرف سے قوالی بھی ہوتی تھی۔ ظہر کے بعد خدام روضۂ مبارکہ کی خدمت کرتے ہیں۔ نیز پھول اور صندل پیش کرتے ہیں۔

مغرب سے پہلے مغرب سے پندرہ منٹ پہلے روشنی کی اطلاع کا ڈنکا بجتا ہے۔ اس موقع پر خصوصیت سے لوگ حاضر ہوتے ہیں۔ قبۂ مبارکہ میں روشنی کرنے کے لئے خدام صاحبان مخصوص طور سے بنی ہوئی موم بتیاں لے جاتے ہیں۔ لوگ حصول برکت کی خاطر ان بتیوں کو اپنے سروں پر رکھواتے ہیں، اس خصوصی حاضری میں لوگ فاتحہ پڑھکر بوسیلہ خواجۂ غریب نواز دعائیں مانگتے ہیں اور یہ شعر بآواز بلند پڑھا جاتا ہے ؎

الٰہی تا بود خورشید و ماہی
چراغ چشتیاں را روشنائی

مغرب سے تھوڑی دیر پہلے روضہ مبارکہ اور تمام درگاہ میں موم بتی اور برقی روشنی ہوجاتی ہے۔

نماز عشاء کے بعد بیگمی دالان کے روبرو صحن میں شاہی چوکی اور پائیں دروازہ کے سامنے ضامن علی شاہ والی چوکی تقریباً ایک گھنٹہ قوالی کی خدمات بجالاتی ہیں۔

اس وقت بھی درگاہ معلیٰ میں کافی مجمع رہتا ہے۔ قوالی شروع ہونے کے آدھے گھنٹہ بعد پائیں شریف کا دروازہ بند ہوجاتا ہے اور ایک گھنٹہ بعد قبر شریف کا دروازہ بھی معمور ہوجاتا ہے اور قوالوں کی شاہی چوکی کھڑے ہوکر "کڑکا" پڑھتی ہے (ایک پرانا خاص قسم کا کلام ہے جس میں غریب نواز کی تعریف و منقبت ہے)

جمعرات ویسے تو ایام عرس کے علاوہ بھی زائرین کے قافلے اترتے رہتے ہیں لیکن پنجشنبہ کو خصوصیت سے مجمع زیادہ ہوتا ہے۔ بعد مغرب حاضرین کی تعداد بڑھنے لگتی ہے۔ بیگمی دالان کے روبرو فرش بچھایا جاتا ہے۔ فاتحہ اور قوالی کا دستور کے مطابق ایک خصوصی اہتمام کیا جاتا ہے۔

چھٹی شریف چونکہ سیدی سرکار غریب نواز کی تاریخ وصال ۶ رجب المرجب ہے۔ اس لئے چاند کی ہر چھٹی تاریخ کو درگاہ معلیٰ میں خواجہ غریب نواز کی فاتحہ ہوتی ہے۔ صبح کے وقت خدام آستانہ کی طرف سے قرآن خوانی اور فاتحہ کی رسم ادا کی جاتی ہے اور شب پنجشنبہ کی طرح محفل سماع بھی منعقد ہوتی ہے مگر محفل پنجشنبہ کی طرح چھٹی کی محفل کے آخر میں فاتحہ نہیں ہوتی، البتہ اگر جمعرات اور چھٹی ایک دن ہوں تو دو مرتبہ فاتحہ ہوتی ہے اور دونوں تقاریب کی شرینی بھی علیحدہ علیحدہ تقسیم کی جاتی ہے۔

آج بھی غریب نواز کے ان گنت و بے شمار شیدائی اپنی اپنی جگہوں پر چاند کی ہر چھٹی تاریخ کو سرکار غریب نواز کی رسم چھٹی ادا کرتے ہیں۔ میرے محترم بھائی سیٹھ ابراہیم لکڑی والے بمبئی بڑی عقیدت کیشی سے اس کے پابند ہیں۔ شیخ طریقت مولانا الحاج غلام آسی صاحب اور پیر طریقت مولانا سید عبدالحق صاحب سفر و حضر میں بالالتزام اس کی پابندی کرتے ہیں۔ راقم الحروف نے بھی دارالعلوم غریب نواز کے دستور میں اسے شریک کرلیا ہے۔

ناظرین سے گذارش ہے کہ غریب نواز کی چھٹی حصول خیر و برکت کا بہترین ذریعہ ہے۔ حتی الوسع اس رسم سعید کی طرف متوجہ ہونا چاہئے۔

عرس شریف فقراء اور درویش تو اوائل جمادی الثانی ہی سے پہنچنے لگتے ہیں۔ درگاہ کی عمارات میں چونا کاری شروع ہوجاتی ہے۔ ۲۵ جمادی الثانی کو بلند دروازہ پر جھنڈا

لگا دیا جاتا ہے۔ اسی تاریخ سے خدام آستانہ روزانہ مزار شریف کو غسل دینا شروع کر دیتے ہیں۔ رجب کا چاند ہوتے ہی مخصوص مراسم شروع ہو جاتے ہیں۔

درگاہ میں شادیانے بجتے ہیں اور توپ (توپ نما آہنی نال) کی سات سلامیاں دی جاتی ہیں۔ اپنے اپنے مقررہ مقامات پر خدام آستانہ کی گدیاں اور فرش بچھ جاتے ہیں۔ جنتی دروازہ کھل جاتا ہے۔ سماع خانہ میں روزانہ محفل سماع کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ یہاں اندرونی حصے میں فرش بچھتا ہے۔ صدر مقام پر نقرئی چوبوں کا شامیانہ لگایا جاتا ہے۔ دوران محفل سماع خانہ میں کسی کو جوتہ لے جانے اور مستورات کو محفل خانہ میں داخل ہونے کی ممانعت ہے۔

محفل قل شریف

۶ رجب دن کے آٹھ نو بجے کے درمیان سماع خانہ شاہجہانی مسجد، صندل مسجد وغیرہ میں قرآن خوانی شروع ہو جاتی ہے، لوگ اس میں بہت کثرت سے شامل ہوتے ہیں۔ دس گیارہ بجے کے درمیان محفل سماع شروع ہو جاتی ہے اور دن کے ڈیڑھ بجے کے قریب فاتحہ ہوتی ہے اس موقع پر جب سرکار غریب نواز کا نام نامی اسم گرامی آتا ہے تو چوبداران چوبیں اونچی کر لیتے ہیں۔ سات توپوں کی سلامی ہوتی ہے۔ بہت سے لوگوں پر گریہ طاری ہو جاتا ہے۔ نعرے لگائے جاتے ہیں۔ جگہ جگہ لوگوں پر عرق گلاب چھڑکا جاتا ہے۔ اُسے قل کا چھینٹا کہتے ہیں۔ رفاعی اور دوسرے سلسلہ کے مشائخ و نقراء نعرے لگاتے ہوئے سماع خانہ میں آکر گدیلہ پر بیٹھتے ہیں جہاں ان کے معاملات کا فیصلہ کیا جاتا ہے۔

قل کے بعد سے غریب نواز کے مہمان آہستہ آہستہ رخصت ہونے لگتے ہیں۔

غسل شریف

۹ رجب صبح ۶ اور ۷ بجے کے درمیان غسل شروع ہو جاتا ہے۔ مزار مبارک کو عرق کیوڑہ اور گلاب سے غسل دیا جاتا ہے۔ ہزار ہا ہزار زائرین پانی کی مشکیں خرید کر خود جھاڑو سے فرش درگاہ کو دھوتے ہیں۔ جنتی دروازے پر خواجہ کے شیدائیوں کا جمگھٹ دیکھنے کے قابل ہوتا ہے ہر شخص ایسے ہی لپکتا ہے جیسے پروانہ شمع پر۔ اکثر لوگوں کے ہاتھ میں عرق کیوڑہ اور گلاب کی شیشیاں ہوتی ہیں۔ غسل آستانہ مراسم عرس کی ایک قابل دید رسم ہے۔ چھوٹے بڑے، امیر و غریب، صوفی اور درویش سب ایک صف میں ہوتے ہیں۔ ابتداءً اپنے ہاتھ میں جھاڑو لئے رہتے ہیں، پھر جیسے جیسے نشۂ محبت بڑھتا جاتا ہے ویسے ویسے بیخودی اور وارفتگی اپنی جگہ بناتی جاتی ہے۔ حتیٰ کہ شیروانی، کوٹ، عبا، قمیص و کرتا کے دامن اور پلکوں سے آستانہ کی صفائی کی جاتی ہے۔ ۴۵ منٹ سے زائد کا یہ روح پرور منظر عشق و محبت کی ایک زندہ تصویر بن جاتا ہے۔

پہلے تو یہ فرش پانی، عرق گلاب اور کیوڑہ سے صاف کیا جاتا ہے۔ پھر آخر میں آنکھوں سے سادن

بھادوں کی جھڑی لگ جاتی ہے۔ گریہ و نالہ کے شور سے کوئی آواز سُنائی نہیں دیتی۔

آخرش خواجہ کے دیوانے اپنی روانگی سے پہلے آستانہ کے وسیع فرش کو آئینہ بنا کے رُخصت ہوتے ہیں۔

ماں اپنے اکلوتے بیٹے کو الوداع کرنے میں جسطرح گھٹن محسوس کرتی ہے۔ ویسے ہی خواجہ کے شیدائی خواجہ خواجہ کہکر پھوٹ پھوٹ کے روتے ہیں۔ اگر آج کی دنیا شہنشاہیت اور حکمرانی کا جم خم دیکھنا چاہتی ہے تو نویں رجب کو آستانہ خواجہ پر غسل آستانہ کا روح پرور منظر دیکھ لے۔

اور کوئی حکمراں پارٹی، معدلت گستری، رعایا پروری اور غریب نوازی کا درس لینا چاہتی ہے تو سرکار غریب نواز کے ان لمبے لمبے ہاتھوں کو دیکھے جن سے بادشاہ اور فقیر کو یکساں طور پر ملتا ہے کہنے والے نے یہ کہا ہے

سنانے اپنی بربادی کے افسانے کہاں جاتے
ترا دَر چھوڑ کر خواجہ یہ دیوانے کہاں جاتے

(عرشیؔ)

عمارات درگاہ

دُور ہو کر بھی پاس ہے کوئی
اہتمامِ نظر کو کیا کہیئے!

دارالخیر شہر اجمیر کے گوشۂ مغرب و جنوب میں لبِ جھالرہ سیّدی سرکار سلطان الہند معین الدین حسن سنجری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی درگاہ معلیٰ زیارت گاہِ خلائق ہے، جو نہ صرف ہندوستان بلکہ پوری ملتِ اسلامیہ کی مرکزِ عقیدت ہے۔

آستانہ کی اندرونی عمارات ایک وسیع رقبہ میں تین بڑے احاطوں پر مشتمل ہیں۔ احاطہ سولہ کھمبہ بھی انھیں سے ملحق ہے۔

(۱) احاطہ نقار خانہ ! یہ احاطہ عثمانی دروازہ، شاہجہانی دروازہ، بلند دروازہ اور اکبری مسجد وغیرہ پر مشتمل ہے۔

(۲) احاطہ صحن چراغ ! اس احاطہ میں سماع خانہ، وسیع صحن، لنگر خانہ اور حجرے وغیرہ ہیں۔

(۳) احاطہ آستانہ ! اس احاطہ میں روضہ منورہ، شاہجہانی مسجد، صندلی مسجد، اولیاء مسجد، قبور اور حجرے وغیرہ ہیں۔ جھالرہ اور احاطہ چار یاری کا بھی اسی احاطہ سے الحاق ہے۔

احاطہ عمارات سولہ کھمبہ ! اس قطعہ میں شیخ حسین اجمیری اور غریب نواز کے دیگر حضرات آسودہ ہیں۔

حدودِ اربعہ، چوحدی | درگاہ کے شمال میں درگاہ بازار، جنوب میں جھالرہ، مغرب میں سڑک ترپولیہ دروازہ اور مشرق میں گلی لنگر خانہ ہے۔

درگاہ شریف کے ۱۲ دروازے ہیں۔ یہ شہر کے مختلف حصّوں کو درگاہ سے ملاتے ہیں۔

احاطہ اوّل نقار خانہ

عثمانی دروازہ یا نظام گیٹ | بیرونی زائرین عموماً اسی دروازے سے داخل ہوتے ہیں۔ درگاہ شریف کا یہ فلک بوس شمال رویہ دروازہ بجانب درگاہ بازار

واقع ہے۔ میر عثمان علی خاں سابق والئ دکن نے ۱۳۳۰ھ میں حاضر دربار ہو کر شاہانہ گیٹ تعمیر کرانے کی سعادت حاصل کی۔ تقریباً پچاس ہزار روپے اس کی تعمیر میں صرف ہوئے۔ محراب دروازہ کی چوڑائی ۱۶ فٹ، لمبائی مع دورویہ والان ۲۰ فٹ، بلندی تقریباً ۷۰ فٹ ہے۔ دروازے کے اوپر نقار خانہ ہے۔ یہاں پنجوقتہ نوبت مع شہنائی بجائی جاتی ہے اور ہر گھنٹہ گھڑیال بھی بجتا ہے۔

سرکار نظام حیدرآباد دکن ایک منتظم، دو چپراسی، دو گھڑیالی چھ شہنائی نواز اور آٹھ نقارچی وغیرہ مامور ہیں جس کا صرفہ تقریباً پانچسو روپیہ ماہوار ہے۔

کلمہ دروازہ شاہجہاں نے ۱۰۴۷ھ میں بطور نذر عقیدت اس کی تعمیر کرائی تھی اسی لئے اس کو شاہجہانی دروازہ کہا جاتا ہے۔ محراب دروازہ کی پیشانی پر بخط جلی سنہری حروف میں کلمہ شریف لکھا ہے۔ لہٰذا اس کو کلمہ دروازہ بھی کہتے ہیں۔ دروازہ پر آب زر سے یہ شعر مرقوم ہے ؎

بعہد شاہجہاں بادشاہ دیں پرور
زدود ظلمت کفر آفتاب دیں یکسر

اکبر بادشاہ نے رمضان ۹۸۳ھ میں بنگال فتح کرنے کے بعد دو نقارے وادی درگاہ شریف میں پیش کئے تھے جو اب اس دروازہ پر رکھے ہوئے ہیں اور ایک بڑا نقار خانہ قلعہ چتوڑ میں تھا۔ آٹھ یا دس فٹ اس کا قطر ہے۔ کوسوں تک اس کی آواز پہنچتی تھی۔ جب چتوڑ کا راجہ سوار ہوتا تھا یا قلعہ میں داخل ہوتا تھا اس وقت یہ بجتا تھا تاکہ دور دور تک خبر ہو جائے۔

اکبری مسجد یونانی شفاخانہ کے متصل ایک بلند زینہ پر اکبری مسجد کا رفیع الشان دروازہ ہے۔ اکبر نے اس مسجد کی تعمیر کا حکم اس وقت دیا تھا، جب جہانگیر کی ولادت کے چھ ماہ بعد اظہار تشکر و نیاز کے لئے شعبان ۹۷۷ھ میں حاضر دربار خواجہ ہوا تھا۔

محراب مسجد ۵۶ فٹ بلند ہے۔ گنبد کے گوشوں پر سرمریں مینار ہیں۔ صحن مسجد میں ایک ہشت پہل حوض تھا جو اب مٹی سے پُر کر دیا گیا ہے۔

بلند دروازہ یہ دروازہ سنگ سُرخ سے تعمیر ہوا ہے لیکن اب اس کی سرخی پر چونا کاری کے باعث سفیدی آگئی ہے۔ اس کی بلندی ۸۵ فٹ ہے، اس کا فرش سنگ مرمر اور سنگ موسیٰ کا ہے۔ محراب میں تین گولے طلائی زنجیروں میں آویزاں ہیں۔ برجیوں پر ڈھائی فٹ لمبے سنہری کلس ہیں۔ دروازہ میں شمال جانب تین تین درجہ کی دو چھتریاں ہیں، اوپر چڑھنے کے لئے دو طرفہ زینے ہیں۔ چونکہ یہ درگاہ شریف کی تمام عمارات سے بلند ہے، اس لئے اس کو بلند دروازہ کہتے ہیں۔ مورخین کا عام

رجحان یہ ہے کہ اس کی تعمیر سلطان غیاث الدین کے عہد ۸۶۹ھ لغایت ۹۰۵ھ میں ہوئی۔

احاطہ دوم صحن چراغ

بڑی دیگ یہ دیگ اکبر بادشاہ نے ۹۷۴ھ میں پیش کی تھی۔ چتوڑ پر فوج کشی کے وقت اس نے سنت مانی تھی کہ بعد فتح پاپیادہ اجمیر حاضر ہوکر ایک بڑی دیگ دربار خواجہ میں پیش کرد گا۔ چنانچہ فتحیابی کے بعد اکبر پاپیادہ سفر کرکے بتاریخ ۶ رمضان ۹۷۴ھ بروز یکشنبہ اجمیر پہنچکر خواجہ بزرگ کے آستانہ پر نذر و نیاز کے لئے تیار کرائی۔

بقول "احسن السیر" اس میں سو۱۰۰ من چاول پکتے ہیں مگر بقول کرنل براڈن اس میں ستر من چاول پک سکتے ہیں۔

چھوٹی دیگ سلطان نورالدین جہانگیر نے یہ دیگ آگرہ میں تیار کرائی۔ آستانہ غریب نواز پر حاضر ہوکر اس میں کھانا پکوایا اور پانچہزار فقراء و مساکین کو اپنے سامنے کھانا کھلوایا۔ دیگ کی تیاری کی تاریخ حسب ذیل ہے:-

بدنیا باد دائم نعمت دیگ جہانگیری

۱۰۲۲ھ

۲۸ یا ۸۰ من چاول اس میں پک سکتے ہیں

صحن چراغ بلند دروازے سے گزر کر ایک وسیع صحن آتا ہے اس میں پیش بلند دروازہ ایک گنبد نما ہشت پہل خوبصورت چھتری بنی ہوئی ہے۔ اس میں متعدد چراغوں کا حامل ایک چراغ دان ہے اس لئے یہ صحن چراغ کہلاتا ہے — مشہور ہے کہ اس کو اکبر بادشاہ نے پیش کیا تھا۔

محفل خانہ نواب بشیر الدولہ مدار المہام دولت آصفیہ نے اپنے فرزند معین الدولہ کی ولادت پر اسے تعمیر کرایا۔ موصوف نے دربار خواجہ میں فرزند ہونے کی منت مانگی تھی۔ خدا نے انہیں اسی سال اسی سال کی عمر میں بیٹا دیا۔ مراد پوری ہونے پر بطور اظہار تشکر اسی ہزار روپے کے صرفہ سے یہ رفیع الشان مجلس خانہ تعمیر کرایا۔ یہ عمارت ۴۶ فٹ مربع ہے۔

خانقاہ یہ عمارت محفل خانہ کے جانب مغرب ہے۔ محفل خانہ کی مغربی دیوار میں ایک دروازہ ہے جس سے خانقاہ کا راستہ ملتا ہے —

بعد وصال سیدی سرکار غریب نواز کو یہیں غسل دیا گیا تھا۔ اس کی تعمیر کے متعلق ...

اکبر نامہ جلد دوم صفحہ ۴۴ پر ابو الفضل نے لکھا ہے

اصل عبارت	ترجمہ
عمارات عالی بنا از مسجد و خانقاہ دراں حواشی لمع انداختہ	(اکبر نے) ایک مسجد اور اس کے متصل خانقاہ تعمیر کرائی۔

خانقاہ میں رجب کی پانچ تاریخ سہ پہر کے وقت سالانہ محفل ہوتی ہے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ یہاں سرکار غریب نواز کے اہل خانہ رہتے تھے۔

حوض و ہمال خانہ محفل خانہ کے سامنے گوشۂ مشرق وجنوب میں ایک حوض اور ایک سبیل ہے، اس حوض کی چھتری "ملکہ مری" (اہلیہ جارج پنجم) کی جانب سے تعمیر ہوئی۔ ۱۹۱۱ء میں ملکہ نے دربار خواجہ میں حاضری دی اور اس موقع پر درگاہ میں کوئی یادگار قائم کرنے کے لئے پانچسو روپے دیئے تھے۔ درگاہ کے خزانے سے مزید روپیہ ملا کر یہ چھتری تیار کرائی گئی۔

لنگر خانہ صحن چراغ کے مشرق میں ٹین کے سائبان کے نیچے لنگر خانہ کا پھاٹک ہے اس پھاٹک سے گزر کر ایک مختصر صحن اور دالان ہے۔ دالان میں ایک لوہے کا بہت بڑا کڑھاؤ ایک بڑے چولھے پر رکھا ہے۔ اس میں روزانہ جو کی دلیہ پکتی ہے اور غربا پر تقسیم کی جاتی ہے۔ اس لنگر خانہ کو اکبر بادشاہ نے غربا و مساکین کی آسائش کے لئے تعمیر کرایا تھا۔

تاریخی چھتری صحن لنگر خانہ میں پرانے زمانے کی ایک خوبصورت چھتری ہے، یہ اس واقعہ کی یادگار ہے جب اکبر بادشاہ اس مقام پر لنگر لینے آیا تھا اور اس کا پیالہ ٹوٹ گیا تھا۔ اسی سال اس تاریخی یادگار کو مسخ کرکے حجرہ بنا دیا گیا ہے۔

احاطہ سوم درگاہ شریف

احاطہ چمیلی احاطہ صحن چراغ کی جنوبی دیوار میں احاطہ درگاہ شریف میں جانے کے لئے دو دروازے ہیں۔ ایک دروازہ سماع خانہ کی دیوار سے ملا ہوا ہے۔ اس دروازے سے احاطہ درگاہ میں داخل ہونے کے بعد داہنی طرف سولہ کھمبہ میں جانے کا راستہ ہے اور بائیں ہاتھ پر مختصر سا احاطہ چمیلی پتھر کی جالیوں میں گھرا ہوا ہے۔ احاطہ کے اندر چند متبرک مزارات ہیں اور حال کے بعض تذکرہ نویسوں نے لکھا ہے۔ یہ مزارات خواجہ بزرگ کی ازواج کے ہیں، اور یہ چمیلی والی بیوی کے نام سے مشہور ہیں۔

لیکن صاحب احسن السیر کا کہنا ہے کہ مسجد صندل خانہ کی شمالی دیوار کے متصل (احاطہ چنبیلی میں) حضرت رفیع الدین بایزید خورد کا مزار ہے۔ ان مزارات پر چنبیلی کی بیل چھائی رہتی ہے۔

شاہجہانی مسجد

یہ مسجد روضہ مبارکہ کے مغرب میں شاہجہاں کی بنوائی ہوئی ہے۔ شاہجہاں بعہد شہزادگی اودے پور فتح کرکے جب زیارت کے لئے اجمیر حاضر ہوا اس وقت اس نے ایک وسیع مسجد بنوانے کا خیال کیا تھا۔ جب وہ تخت نشین ہوا تو اس مسجد کی تعمیر کا حکم دیا۔ جس پر دو لاکھ چالیس ہزار روپے خرچ ہوئے۔ مسجد کا طول ۷۰ گز شرعی اور عرض ۲۱ گز شرعی ہے۔ تاریخ تعمیر حسب ذیل ہے۔

قبلۂ اہل زماں شد مسجد شاہجہاں
۱۰۴۷ھ

عہد شاہجہانی کے ملک الشعراء ابوطالب حکیم ہمدانی نے حسب ذیل مصرع سے تاریخ تعمیر نکالی ہے۔

کعبۂ حاجات دنیا مسجد شاہجہاں
۱۰۴۷ھ

مسجد نفیس سنگ مرمر کی بنی ہوئی ہے۔ اندرون وسط محراب میں سنہری حروف میں کلمہ طیبہ لکھا ہوا ہے۔ ۱۲۶۱ھ میں جب تبرکات نبوی دہلی سے[1] یہاں رکھے گئے اس وقت کلمہ اور محراب سے آب خنک[1] رسنے لگا تھا۔ بعض لوگ اسے اشک افشانی سے تعبیر کرتے ہیں۔

جب اس مسجد میں نماز جمعہ ہوتی ہے تو چار توپیں (توپ نانا) داغی جاتی ہیں۔ ایک بوقت ادائیگی سنت، دوسری خطبہ کے وقت، تیسری بوقت اقامت، چوتھی سلام کے بعد۔

چلہ بابا فرید گنج شکر علیہ الرحمۃ والرضوان

اس مقام پر بابا فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے چلہ کشی کی تھی۔ صندلی مسجد کے پیچھے اس کا دروازہ ہے۔ کہا جاتا ہے۔ پہلے سرکار غریب نواز کے خادم مزار کا یہی راستہ تھا جو اب مدت دراز سے وہاں تک پہنچنے کا راستہ بند کر دیا گیا ہے۔ چلہ کا دروازہ ہمیشہ مقفل رہتا ہے مگر ہر سال ماہ محرم کی پانچ تاریخ کو کھلتا ہے۔ پانچویں محرم کو بھی لوگ دور دراز سے بغرض زیارت حاضر ہوتے ہیں۔

جنتی دروازہ

اس دروازہ کو "نکی" دروازہ بھی کہتے ہیں۔ اس کے کواڑوں پر چاندی کا پتر چڑھا ہوا ہے۔ یہ دروازہ عیدین اور حضرت خواجہ غریب نواز و حضرت خواجہ عثمان ہارونی

---

[1] معین الارواح صہ ۳۵۱

رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے عرس کے موقع پر کھلتا ہے۔

چار یاری شاہجہانی مسجد کے جنوبی دیوار سے ملحق حوض کے متصل احاطہ چار یاری میں جانے کا ایک چھوٹا سا دروازہ ہے۔ اس احاطہ میں ایک وسیع قبرستان ہے جس میں مولانا محمد حسینؒ الہ آبادی اور بعض دوسرے بزرگوں کے مزارات ہیں۔

حوض جامع مسجد جامع مسجد کے متصل ایک خوشنما حوض ہے۔ یہ ہمیشہ پانی سے بھرا رہتا ہے۔ اس حوض کے پانی پر سائبان نہیں ہے۔ اس حوض کے متصل اکثر بہشتی بھری مشکیں لئے موجود رہتے ہیں۔ زائرین انہیں پیسے دے کر حوض میں پانی ڈلواتے ہیں۔

جھالرہ درگاہ شریف کے جنوب میں ایک گہرا چشمہ جھالرہ کے نام سے مشہور ہے۔ درگاہ شریف اور شہر کے بعض محلے اس سے پانی لیتے ہیں۔ درگاہ سے ایک وسیع زینہ اس میں جانے کا ہے، بہشتی اسی زینہ سے پانی بھر کر لاتے ہیں، دوسرا زینہ اس میں سولہ کھمبے کی طرف سے بھی ہے، تیسرا زینہ مقبرے کے قریب سے ہے۔ جھالرہ کی مضبوط چہار دیواری شاہجہاں کی بنوائی ہوئی ہے۔

شاہی گھاٹ لب جھالرہ ارکاٹی دالان اور حوض کے درمیان صحن کا نام شاہی گھاٹ یا سایہ گھاٹ ہے اس صحن میں سنگ مرمر کی چھتری میں غریب نواز کے صاحبزادے حضرت خواجہ ابو سعید کا مزار ہے۔ اس چھتری کے بائیں میں ایک دوسری مرمریں چھتری کے اندر حضرت خواجہ کے برادر نسبتی آرام فرما ہیں (سیر الاولیا ر صـ۲۷۸) مگر بقول احسن السیرؒ[2] "یہ مزار حضرت خواجہ کے خلف خورد خواجہ ابو صالح (خواجہ حسام الدین) کا ہے"۔

ارکاٹی دالان سایہ گھاٹ کے متصل روزہ منورہ کے بائیں جانب ارکاٹی یا کرناٹکی دالان ہے اس میں تین در بجانب روزہ منورہ ہیں، سنگ سپید کی خوبصورت عمارت ہے۔

پردہ نشین مستورات کے عبادت خانے روضہ منورہ کے بائیں دروازے ہر دو جانب کرناٹکی دالان کے سامنے سنگ مرمر کے دو چھوٹے سے احاطے ہیں۔

بقول سیر الاولیا ر صـ۲۷۹ ان میں سے جو مزار بی بی حافظہ جمال کے بائیں میں ہیں، اس میں خواجہ

---

[1] آپ کا وصال محفل سماع میں اس شعر پر ہوا ؎ گفت قدوسی فقیر در فناء و در بقا
خود بخود آزاد بودی خود گرفتار آمدی

[2] صـ۱۶۰

معین الدین خورد خواجہ قیام الدین باہر یال کے مزارات ہیں لیکن صاحب "احسن السیر" نے ان مزارات میں شیخ بدہ مخاطب سید الملک کے مزار کا اضافہ کیا ہے اوران حضرات کو نبیرہ گان خواجہ بزرگ میں شمار کیا ہے۔

دالان حاجی وزیر علی خادم درگاہ ارکاٹی دالان اور سبیل سے ملحق یہ دو دالان حاجی وزیر علی خادم درگاہ نے بنوائے ہیں۔ ان پر مندرجہ ذیل کتبے آویزاں ہیں۔

نقل کتبہ دالان متصل ارکاٹی دالان

"یہ عمارت بغرض آسائش زائرین حضرت خواجہ غریب نواز بیادگار قبلہ حاجی سید مردان علی مرحوم مغفور بصرفہ خاص خاک نشین آستانہ عالیہ حاجی سید وزیر علی خادم حضرت خواجہ تعمیر ہوئی۔ جمادی الاوّل ۱۳۵۵ھ"

نقل کتبہ دالان متصل سبیل

"یہ عمارت بغرض آسائش زائرین حضور خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ بیادگار قبلہ وکعبہ سید حافظ فتح محمد صاحب ومحترمہ مخدومہ والدہ صاحبہ بصرف خاص خاک نشین آستانہ عالیہ حاجی سید وزیر علی ربیع الاوّل ۱۳۶۰ھ میں تعمیر ہوئی۔"

مقبرہ شاہ قلی خاں یہ مقبرہ جھالرہ کے مشرق میں ہے۔ محرم کی ۱۰ تاریخ کو یہاں تعزیہ رکھا جاتا ہے اس لئے اس کو امام باڑہ بھی کہتے ہیں۔

سبیل خواجہ سنجری یہ سبیل حاجی وزیر علی صاحب مرحوم درگاہ شریف نے تعمیر کرائی تھی۔ ربیع الاوّل ۱۳۶۰ھ میں تعمیر ہوئی

چھتری دروازہ سبیل کے قریب درگاہ شریف کے جنوبی سمت بیرونی زائرین کی زیادہ آمد ورفت اسی دروازہ سے رہتی ہے۔ ایام عرس میں یہ دروازہ شب بھر کھلا رہتا ہے۔ خدام صاحبان میں جب کوئی موت ہو جاتی ہے تو مرنے والوں کے رشتہ دار یہاں آکر بیٹھتے ہیں۔

کھڑکی دروازہ جانب مشرق ہے، اس کے ہر دو جانب حجرے اور سہ دریاں وغیرہ بنی ہوئی ہیں، اسی دروازے کے بائیں ہاتھ پر مخدومی سید نور محمد نذر محمد صاحب کا حجرہ ہے، یہ آستانہ کے خادم اور کلید بردار ہیں۔ انتہائی مخلص، علم دوست، دیندار، مہمان نواز اور غریب پرور ہیں۔ یہی حجرہ مولانا سید عبدالحق صاحب، ان کے متوسلین اور ہم لوگوں کی قیام گاہ ہے۔ ہم لوگوں کی حاضری

محرری سید نور محمد نذر محمد صاحب کے معرفت ہوتی ہے۔

حمیدیہ دالان بیگم دالان اور کھڑکی دروازہ کے درمیان یہ دالان سید عبدالحمید صاحب خادم درگاہ نے زائرین کی آسائش کے لئے تعمیر کرایا ہے جس کا صرفہ تقریباً پچاس ہزار روپیہ ہے۔ محفل پنجشنبہ کے موقع پر یہاں مستورات بیٹھتی ہیں۔ حسب ذیل تاریخ تعمیر اس پر کندہ ہے۔

سَلَامٌ بَاقٍ غَنِیٌّ مَجِید

۱۳۶۱ھ

نظام سقہ کی قبر یہ قبر حمیدیہ دالان کے قریب ہے۔ سنگ مرمر کے چبوترے کے گرد جالی دار کٹہرا ہے۔ شاہان مغلیہ کے عہد میں اس مزار پر زرّیں شامیانہ نقرئی استادوں پر کھینچا رہتا تھا۔ جب عالمگیر حاضر دربار خواجہ ہوئے تو اس قبر پر دھوکا ہوا، لوگوں نے عرض کیا یہ قبر تو نظام سقہ کی ہے۔ یہ سن کر عالمگیر نے کہا "شمع پیش آفتاب پرتو ندارد" جتنی بھی آرائش اس قبر پر تھی اُسے لٹوا دیا۔

اولیاء مسجد پہلے یہ قلندری مسجد تھی۔ بقول "احسن السیر" چونکہ سرکار غریب نواز اس مقام پر نماز پڑھا کرتے تھے اس لئے اہل دل و عقیدت کیش اس میں نماز پڑھنے کو زیادہ بہتر تصور کرتے ہیں۔

احاطہ کوچک سنگ سفید پیش صحن مسجد صندل خانہ درمیانی صحن کے بالمقابل بجانب شرق سنگ سفید کا احاطہ ہے اس میں شیخ تاج الدین بایزید بزرگ ان کے اقرباء اور ازواج کے مزارات ہیں۔ بعض تذکروں میں یہ ہے کہ یہ مزارات یادگار محمد اور ان کی زوجہ کے ہیں۔

بیگمی دالان گنبد شریف کے شرقی دروازے کے آگے یہ دالان جہاں آرا بنت شاہجہاں نے ۱۰۵۳ھ میں تعمیر کرایا تھا۔ اس کی چھت سنگ مرمر کے ستون کی ہے اور فرش سنگ افشاں ابری اور طلائی کا ہے۔ ۱۸۸۸ء میں اس کی دیواروں اور کھمبوں پر نواب مشتاق علی خاں والیٔ رامپور نے سنہری کام کرایا اور چھت میں بمبئی کے ایک مسلمان سوداگر نے نقش و نگار بنوائے۔ دالان کی چھت میں بلوریں جھاڑ فانوس آویزاں ہیں۔ ۱۹۲۱ء میں چھت کی ایک پٹی پر چنک گئی تھی، اس کے ٹوٹ کر گر جانے کا اندیشہ تھا۔ ۱۹۴۳ء میں نواب غلام کبریا رئیس جل پائی گوڑی دبنگال نے اسی پٹی کو بدلوادیا۔ بیگمی دالان کے صحن میں کھرنی کا ایک پرانا درخت ہے جس کے متعلق مشہور ہے کہ یہ درخت جہانیاں جہاں گشت

رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اجمیر حاضر ہونے کے وقت نصب کیا تھا۔

کہا جاتا ہے اس کی چھال پانی میں پیس کر اگر مارگزیدہ کو پلائیں تو اچھا ہو جاتا ہے۔

توشہ بیگمی دالان سے گنبد شریف میں داخل ہوتے ہوئے پہلے ایک خوبصورت شاندار دروازہ آتا ہے۔ اس دروازے سے گزرکر دائیں بائیں سمت دو حجرے ہیں اس میں روضہ مبارکہ کی ضروریات کی چیزیں رکھی رہتی ہیں۔ شمالی توشہ خانہ میں روزانہ کے استعمال کی چادریں، اگر دانی، چوبیں اور دیگر سامان متعلقہ رہتا ہے۔ جنوبی توشہ خانے میں قیمتی سامان رہتا ہے۔ شاہجہاں بادشاہ کا فرمان بھی اس میں مقفل رہتا ہے، اس میں سات قفل لگے رہتے ہیں۔ ان ساتوں کی کنجیاں سات خدام صاحبان کے پاس رہتی ہیں۔

روضۂ منوّرہ خواجہ حسین ناگوری نے برسوں حضرت خواجہ غریب نواز کی مجاورت کی ہے۔ یہ حضرت شیخ حمیدالدین ناگوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی اولاد میں سے ہیں۔ اس زمانے میں مزار مبارک خام تھا اور مزار شریف پر عمارت نہیں تھی۔

سلطان غیاث الدین خواجہ حسین ناگوری کو از راہ عقیدت مدعو کرتا، مگر آپ شاہانہ صحبت سے گریز کرتے۔ لیکن سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے موئے مبارک کی زیارت کرنے کے لئے آپ سلطان کے پاس تشریف لے گئے۔ بادشاہ نے تحائف پیش کئے مگر آپ نے قبول نہ کئے۔ البتہ صاحبزادے کے دل میں لینے کا خیال گزرا۔ جس پر آپ نے صاحبزادے سے فرمایا۔ اگر اس کو لیتے ہو تو خواجہ غریب نواز اور اپنے جدِ محترم صوفی حمیدالدین ناگوری کے مزارات مبارکہ کی تعمیر کراؤ۔ چنانچہ اس رقم سے حضرت خواجہ غریب نواز کے کچے مزار پر گنبد و عمارات روضہ تیار کرائی گئیں۔

گنبد شریف کا اندرونی حصہ سنگ بستہ کا ہے اس میں چونے سے ریخ بندی کی گئی ہے۔ بالائی حصہ اینٹوں سے تیار کیا گیا ہے۔

لداؤ کی ڈاٹ پر چونے کا صندلہ ہے، اس پر گھٹائی کا کام ہے۔ گنبد پنچوانس میں ہے مگر کوئی دوسرا گنبد اس ڈول کا ہندوستان میں موجود نہیں۔ اس سفید گنبد پر سنہری تاجدار کلس آویزاں ہے۔

یہی وجہ ہے کہ حضرت خواجہ غریب نواز کو دھولی گنبد اور سنہری کلس والا خواجہ بھی کہتے ہیں۔

یہ کلس نواب حیدر علی خاں برادر کلب علی خاں والئ رامپور نے نصب کرایا تھا۔ کہا جاتا ہے۔ پہلے عالم تام کے بخارے نے بھی گنبد شریف پر سوا من سونے کا کلس چڑھایا تھا۔ گنبد شریف کی دیواروں پر سنہری کلسیاں ہیں۔

گنبد کے اندرونی حصہ میں لاجوردی کام ہے۔ یہ نواب مشتاق علی خاں والیٔ رامپور نے کرایا تھا۔
چھت میں کاشانی مخمل کی زریں چھت گیری لگی ہوئی ہے اس میں طلائی زنجیروں میں سنہری گولے لٹک رہے ہیں۔ ان کی قیمت بحساب فی گولہ تقریباً پانچ ہزار روپیہ ہے۔ اس کا سونا عہد شاہجہانی کا عمدہ سونا ہے۔
طلائی نقش و نگار اور قبہ شریف کی دیواروں پر خواجہ حسین ناگوری کی عقیدت کا نتیجہ ہیں۔ عربی دیوار میں سنگ مرمر کی جالی پر ذیل کی تاریخ مرقوم ہے۔

از پئے تاریخ نقش گنبد خواجہ معین
گفت ہاتف گو معظم قبۂ عرش بریں

گنبد شریف کے اندر آب زر سے ذیل کے اشعار مرقوم ہیں:۔

خواجۂ خواجگاں معین الدین	اشرفِ اولیائے روئے زمیں
آفتاب سپہر کون و مکاں	بادشاہ سریر ملک یقیں
در جمال و کمال او چہ سخن	ایں مبیں بود بحسن و حصیں
مطلع در صفات او گفتم	در عبادت بود چو در یمیں
اے درت قبلہ گاہ اہل یقیں	بر درت مہر و ماہ سود جبیں
روئے بر در گہت ہمیں سانید	صد ہزاراں ملک چو خسرو چیں
خادمانِ درت ہمہ رضواں	در صفات روضہ ات چو خلد بریں
ذرہ خاک او عبیر سرشت	قطرۂ آب او چو ماء معیں
جانشین معین خواجہ حسین	بہر نقاشیش بگفت چنیں
کئے شود رنگ تازہ کہنہ ز نو	قبلۂ خواجہ معین الدیں

الٰہی تابود خورشید و ماہی
چراغِ چشتیاں را روشنائی

مزار شریف پر سیپ کا کام چھپر کھٹ صندلی بنا ہوا تھا مگر کلکتہ کے سوداگر شکر سیٹھ میمن حاجی محمد صاحب نے پچاس ہزار کے صرفہ سے گنگا جمنی طلائی نقرئی پتر چڑھوایا ہے۔ اس کے چاروں گوشوں پر چار برجیاں مع کلس کے ہیں۔ مسہری میں رنگین مخمل کی چھت گیری لگی رہتی ہے۔ اس پر سنگ طلائی، فیروزہ، ابری یشب، اور لہسنیہ وغیرہ کی پچکاری ہے، مزار اقدس کے تعویذ میں یاقوت رمانی جڑا ہوا ہے۔
مزار پُرانوار ہمیشہ زربفت و کمخواب وغیرہ کی قیمتی قبر پوشوں سے ڈھکا رہتا ہے۔ قبر پوش پر پھولوں

کی سیج اور بکثرت پھول رہتے ہیں۔

چھپر کھٹ کے بیچ میں سنہری کٹہرہ نصب تھا۔ یہ شہنشاہ جہانگیر نے بنوا کر نذر کیا تھا۔ جہانگیر نے اس کے متعلق تزک جہانگیری میں لکھا ہے کہ "بعض مرادیں بر آنے پر ۱۰۵۲ھ میں میں نے مجر طلائی جالیدار مرقد خواجہ بزرگ پر نذر کیا۔ یہ مجر ایک لاکھ دس ہزار روپے کی لاگت سے بتاریخ ۲۷ رجب المرجب تیار ہوا۔ میں نے حکم دیا کہ اسے لے جاکر روضۂ اقدس پر نصب کر دیں۔ مگر وہ کٹہرا اب موجود نہیں ہے۔ بلکہ دوسرا نقرئی مجر موجود ہے۔ اس کی مرمت راجہ جے سنگھ سوائی دوبائی جے پور نے کرائی تھی۔ اس کا وزن بیالیس ہزار نو سو اکسٹھ تولہ تین ماشہ ہے مگر موجودہ دونوں کٹہرے نواب جہاں آرا بیگم بنت شاہجہاں کے بنوائے ہوئے ہیں۔

اندرون گنبد مبارک زردوزی کے شامیانے ہیں، ان میں سے ایک نواب کلب علی خاں والئ رامپور اور دوسرا نواب ابراہیم خاں والئ ریاست ٹونک کا نذر کردہ ہے۔ مزار شریف کے مغربی حصہ میں محراب کے اندر زمانہ قدیم کا خوشخط قلمی کلام مجید سفید نقرئی صندوق میں نقرئی چوکی کے اوپر قدم آدم بلندی پر رکھا ہوا ہے۔ اس کا چاندی کا صندوق اور چوکی نظام کی نذر کردہ ہیں۔ قرآن شریف کے اوپر کعبہ شریف کا سیاہ مخمل کا پردہ لٹکا ہوا ہے۔

مجر بی بی حافظہ جمال

روضۂ منورہ کی جنوبی دیوار میں بائیں رخ تین دروازے ہیں۔ درمیانی دروازہ دن بھر کھلا رہتا ہے۔ ادھر ادھر کے دروازے بعض خاص حالات میں کھولے جاتے ہیں۔

درمیانی دروازے کے آگے سنگ مرمر کے ستونوں پر چھتری بنی ہوئی ہے۔ چھتری کے متصل روضۂ منورہ کی جنوبی دیوار سے ملحق حضرت خواجہ کی صاحبزادی بی بی حافظ جمال آسودہ ہیں۔ مزار سے متصل دو چھوٹی چھوٹی قبریں ہیں۔ یہ دونوں بی بی صاحبہ کے صاحبزادوں کے مزارات ہیں۔ ان کا انتقال صغر سنی میں ہو گیا تھا۔

مجر حورالنساء عرف چمنی بیگم بنت شاہجہاں بادشاہ

یہ روضہ شریف کے غرب [illegible] واقع ہے۔ صاحب احسن السیر نے بحوالہ تزک جہانگیری و شاہجہاں نامہ لکھا ہے کہ بروز جہاز شنبہ بتاریخ ۲۹ جمادی الاوّل ۱۰۲۵ھ حورالنساء بنت شاہجہاں نے وفات پائی اور روضہ شریف کی دیوار سے ملحق دفن کی گئی۔

احاطۂ نور قبہ مبارک کے جنوب و مغرب میں سنگ مرمر کا خوشنما احاطہ ہے۔ اس کے کچھ حصّے پر چھت بھی ہے، اس احاطہ سے صحن میں آنے کے لئے دو دروازے ہیں۔ ایک قبہ شریف کے جنوب میں، یہ پائیں دروازہ کہلاتا ہے۔ دوسرا جنتی دروازہ ہے۔ ان دروازوں پر سنہری کلسیاں ہیں اس احاطہ میں لوگ قرآن خوانی کیا کرتے ہیں۔

مسجد صندل خانہ سلطان محمود خلجی نے جب قلعہ دار گجادھر کو قتل کرکے اجمیر فتح کرلیا۔ اس وقت بطور اظہار تشکر سلطان موصوف نے روضۂ منورہ کے سرہانے کی طرف یہ مسجد تعمیر کرائی تھی۔

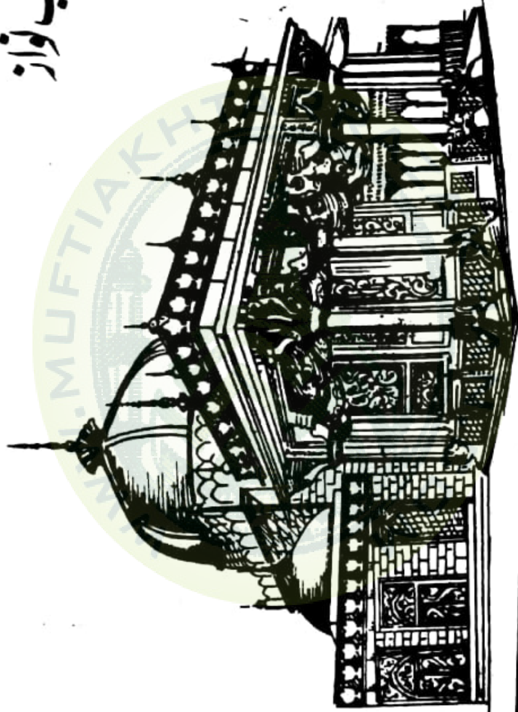
پھر جہانگیر اور عالمگیر نے اپنے اپنے عہد میں اضلافے اور مرمت کی خدمات انجام دیں اسی لئے ان مسجد کو تینوں بادشاہوں کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔ چونکہ مزار شریف کے اترے ہوئے پھول یہاں رکھے جاتے ہیں اس لئے مسجد پھول خانہ کہتے ہیں اور سرکار غریب نواز کے مزار اقدس کے لئے یہاں صندل گھسا جاتا ہے۔ اس لئے اسے مسجد صندل خانہ یا صندلی مسجد بھی کہتے ہیں۔

اب آنکھوں کے سامنے روضۂ غریب نواز ہے۔ جو آنکھوں کی ٹھنڈک اور قلب و جگر کا قرار ہے ؎

پسِ پردہ گماں ہوتا ہے کوئی جلوہ آرا ہے
شعاعِ حُسن پھوٹی پڑ رہی ہے دیکھو چلمن سے

نظامی

روضہ غریب نواز



شہر اجمیر

لازم ہے دل کے پاس رہے پاسبانِ عقل
لیکن کبھی کبھی اسے تنہا بھی چھوڑ دے

جائے وقوع اجمیر شریف، شمالی ہندوستان کے شمالی مغربی حصے میں پہاڑ کے دامن میں واقع ہے۔ اس پہاڑ پر تاراگڑھ ہے۔ اجمیر راجپوتانہ کے ریگستان اور صوبہ میرواڑہ کا ایک پرانا خوبصورت شہر ہے۔

حدود اربعہ شمال میں منصور موہنا دالی اور سدا بہار پہاڑی کا سلسلہ ہے۔ جنوب میں کوہ ارادلی "جس پر قلعہ تاراگڑھ ہے" مشرق میں کوکلہ پہاڑی کا سلسلہ اور مغرب میں الف کے گچھے والی پہاڑی کا سلسلہ ہے۔

قدرتی مناظر شہر کے چاروں طرف پہاڑی سلسلہ ہے، ان میں چھوٹے چھوٹے آبشار بھی ہیں۔ موسم برسات میں سبز گھاسوں کا حسین مخمل انھیں اور بھی سنوار کر خوشنما بنا دیتا ہے۔

آب و ہوا یہاں کی آب و ہوا گرم خشک اور صحت بخش ہے۔ سب موسم معتدل ہوتے ہیں۔

صنعت و حرفت یہاں گوٹہ بننے، اور کپڑوں کی رنگائی کا کام ہوتا ہے۔ بعض چندریوں اور صافوں کی رنگائی بہت قیمتی ہوتی ہے۔

مشہور چیزیں گلاب اور چمبیلی یہاں کے مشہور پھول ہیں۔ چمبیلی کا عطر بہت عمدہ بنایا جاتا ہے۔

بعض مشہور مقامات کوہ اربل یا اربلی پربت۔ اجمیر جس پہاڑ کے دامن میں آباد ہے اس کو اربل پربت (کوہ اربل) لکھا ہے۔ چونکہ سنسکرت میں اربل کے معنی عمر کے ہیں اس لئے اس کو عمر کا پہاڑ یعنی قدیم پہاڑ کہتے ہیں، اس کے دامن میں جو سب سے پرانی بستی آباد تھی اسے "ادمیر" یعنی ہمیشگی کا پہاڑ کہتے تھے ہو سکتا ہے ادمیر سے بدل کر اجمیر ہو گیا ہو۔

اجیپال | راجہ اجیپال نے مذکورہ بالا پہاڑ پر شہر پناہ بنوا کر پہاڑوں میں شہر آباد کیا چونکہ مارواڑی لوگ پہاڑ کو میر کہتے ہیں اور بانی کا نام اجیپال تھا اسلیئے دونوں سے مل کر اجمیر ہوگیا۔ ایسا بھی بعض لوگوں کا کہنا ہے

سیسہ کان | یہ بڑے پیر صاحب کے چلّہ کے نیچے ہے۔

سدابہار پہاڑی | اناساگر کے متصل دولت خانہ شاہجہاں کے جنوب میں ہے۔

بعض پرانی عمارات | قلعہ بیٹلی یا تاراگڑھ، شمسی حمام، اکبری فصیل، شاہی دروازے، فیل سنگ، سوت برج
ان کی تفصیلات جلد دوم[1] میں ملاحظہ کیجئے گا۔

(۱ عنقریب شائع ہوگی)

بعض جدید عمارات | میو کالج، گھنٹہ گھر، ٹریور ٹاؤن ہال، یادگار ایڈورڈ ہفتم

بعض پرانے محلات | محل اکبری، پھول محل، دولت خانہ شاہجہانی، دولت کدہ دانیال۔

بعض مساجد | عیدگاہ، مسجد میاں باولی، مسجد تلوک دئی، مسجد شاہجہانی، مسجد سرائے، مسجد کیسر خاں، پرانی عیدگاہ، مسجد نیا بازار، مسجد محمدی درگاہ بازار، ڈھائی دن کا جھونپڑا یا جامع التمش۔

بعض بزرگان اسلام کے مزارات | مزار برہان الدین قتال، مزار سکین شہید، مزار انگشت روشن علی، مزار مدار شاہ مجذوب، مزار مدار شاہ، مزار رفیق علی شاہ،
مزار جلال شہید، مزار گنج والے پیر، مزار پیر دہلی دروازہ، مزار کچہری روڈ والے پیر، مقبرہ عبداللہ خاں، مزار مدد شہید، مقبرہ حسین علی خاں، مزار شہید لوکو ورکشاپ، مزار سکندر شہید، منصور موہنا، درگاہ حضرت سید حسین خنگ سوار، گنج شہدا، مزار امیر تاغاں و امیر ترغاں، مزار روشن علی۔

بزرگان اسلام کے چلّے

چلّہ حضرت خواجہ غریب نواز | سدابہار پہاڑی پر متصل اناساگر واقع ہے۔

چلّہ سالار غازی | سدابہار پہاڑی کی چوٹی پر سرخ رنگ کے گنبد کے اندر ایک مزار ہے۔

چلّہ خواجہ قطب صاحب | سدابہار پہاڑی کے مشرقی حصہ میں حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا چلّہ ہے۔

چلّہ غوث پاک یا بڑے پیر صاحب کا چلّہ | درگاہ غریب نواز کے جنوب میں پہاڑی پر واقع

ہے۔ یہاں سونڈے شاہ درویش مدفون ہیں۔ مشہور ہے، آپ بغداد شریف سے حضور غوث پاک کے یہاں کی ایک اینٹ لائے تھے۔ وصیت کی کہ بعد وفات قبر میں میرے سینے پر رکھ دینا، اسی لئے اس کو غوث پاک کا چلہ کہتے ہیں۔

عثمانی چلہ | جھالرہ پر یعنی گدڑی شاہی انجمن (رجسٹرڈ) کے دفتر کے ایک حجرہ میں غریب نواز کے پیرومرشد کے روضۂ اقدس کا ایک پتھر اور دیگر تبرکات مکہ معظمہ لاکر یہاں رکھے گئے ہیں۔

چلہ مدار شاہ | کوکلہ پہاڑی کی چوٹی پر واقع ہے، یہاں حضرت شیخ بدیع الدین زندہ مدار رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے چلہ کیا تھا۔

چلہ بی بی حافظہ جمال | نور چشمے کے کنارے پہاڑ کی گپھا میں ہے۔

چلہ بابا فریدالدین گنجشکر | عمارات درگاہ کے سلسلہ میں اس کا ذکر آچکا ہے۔

چلہ اجیپال جوگی یعنی عبداللہ بیابانی | اجمیر کے گوشۂ مغرب و جنوب میں شہر سے تقریباً سات میل کے فاصلہ پر اس کے کھنڈر ہیں، یہ وہی عبداللہ بیابانی ہیں جو غریب نواز کے ہاتھ پر مسلمان ہوئے تھے۔

بعض باغات | دولت باغ، شاہجہانی باغ، قیصر باغ، باغ بوراج، باغ سید احمد

بعض بازار | درگاہ بازار، سہیلی بازار، نیا بازار

بعض چشمے، کنویں اور تالاب | تالاب بیسلہ، اناساگر، نائی ساگر، ڈگی، کارتن باؤلی، جھالرہ، بھاٹا یا بھاٹ باولی، ملوسر و مولاسر، نور چشمہ جہانگیری، پوکھر یا پشکر، سورج کنڈ، چانڈ کنڈ، اسد خاں کی باولی۔

بعض محلے | محلہ اندر کوٹ، موتی کٹرہ، لاکھن کوٹھری، کڑکا چوک، اجمیری دڑہ۔

رہرو راہِ محبت رہ نہ جانا راہ میں

اے اجمیر کے مسافرو! آنکھ کھولو اب اپنے معمولات و مراسم کا ایک سرسری جائزہ لو جو صرف تمہاری عقیدت و محبت کے آئینہ دار ہیں، یہ عقیدت کیشوں کی محبت بھری ادائیں ہیں جسے کور باطن اولیاء دشمن طبقہ سمجھ ہی نہیں سکتا!

محبت کو سمجھنا ہے تو ناصح خود محبت کر
کنارے سے کبھی اندازۂ طوفاں نہیں ہوتا (خمار)

تبرکات مشائخ

بزرگان دین و سلف صالحین کے آثار مقدسہ کو بطور تبرک رکھنا اور ان سے برکت حاصل کرنا بھی معمولاتِ مشائخ میں داخل ہے اور اس کی اصل نہ صرف اس امت بلکہ انبیائے سابقین و امم سابقہ میں بھی موجود ہے جس کے لئے قرآن عظیم شاہد عدل ہے۔ رب تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

فِيْهِ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ مَّقَامُ اِبْرٰهِيْمَ ۵ — اس (حرم کعبہ) میں کھلی ہوئی نشانیاں ہیں۔ مقام ابراہیم (علیہ السلام)

مقام ابراہیم کے متعلق جس کو آیت مذکور میں آیات بنیات فرمایا گیا۔ علامہ فخر الدین رازی علیہ الرحمۃ کا بیان ہے۔

مقام ابراھیم وھو الحجر الذی وضع ابراھیم قدمہ علیہ فجعل اللہ ما تحت قدم ابراھیم علیہ السلام من ذلک الحجر دون سائر اجزائہ کالطین حتیٰ غاص فیہ قدم ابراھیم علیہ الصلوٰۃ والسلام (تفسیر کبیر)

مقام ابراہیم وہ پتھر ہے کہ جس پر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے (تعمیر کعبہ کے وقت) اپنا قدم رکھا تھا تو اللہ تعالیٰ نے اس حصے کو جو ان کے قدم کے نیچے تھا، مٹی کی طرح نرم کر دیا۔ یہاں تک کہ اس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قدم گڑ گیا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قدم کا نشان جس پتھر پر ہے۔ اس کو باری تعالیٰ نے آیات بنیات فرمایا۔ اور تمام انبیاء اور امتوں کے لئے واجب التعظیم ٹھہرایا۔ چنانچہ تاریخ ام القریٰ شاہد ہے کہ ہر زمانے میں لوگ اس کا احترام کرتے رہے، یہاں تک کہ نزول قرآن کے بعد اس کی تعظیم میں چار چاند لگ گیا اور اس کی اہمیت و عظمت اتنی بڑھ گئی کہ قرآن مجید نے فرمایا:

وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهِيْمَ مُصَلًّى ؕ — تم سب لوگ مقام ابراہیم کو جائے نماز بناؤ

یہ پتھر بعد طواف کعبہ ہر مومن کے لئے نماز دوگانہ کے واسطے مصلّٰی بنا دیا گیا۔ حکم خداوندی ہے کہ نماز تو اللہ کے لئے ہے اور سجدہ اللہ کے لئے کرو مگر اپنی پیشانی اس پتھر کے پاس رکھ کر خدا کا سجدہ کرو جس پتھر پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قدموں کا نشان ہے۔ یہ آثار انبیاء علیہم السلام کے

ساتھ اخذ برکت نہیں تو اور کیا ہے؟

اسی طرح قرآن مجید میں بنی اسرائیل کے ایک واقعہ میں ارشاد ہوا:

وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ إِنَّ آيَةَ مُلْكِهِ أَنْ يَأْتِيَكُمُ التَّابُوتُ فِيهِ سَكِينَةٌ مِّن رَّبِّكُمْ وَبَقِيَّةٌ مِّمَّا تَرَكَ آلُ مُوسَىٰ وَآلُ هَارُونَ تَحْمِلُهُ الْمَلَائِكَةُ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً لَّكُمْ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ ۔

بنی اسرائیل کے نبی (شمویل علیہ السلام) نے ان سے کہا کہ اس (طالوت) کی بادشاہی کی نشانی یہ ہے کہ تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے وہ صندوق آئے گا جس میں سکون قلب ہے اور حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام کے تبرکات ہیں۔ فرشتے اس کو اٹھا کر لائیں گے۔ یقیناً اس میں تمہارے لئے عظیم الشان نشانی ہے بشرطیکہ تم ایمان والے ہو۔

تابوت (صندوق) بنی اسرائیل جو ملائکہ کے مقدس شانوں پر نازل ہو کر سلطنت طالوت کی نشانی بنا۔ اور بنی اسرائیل نیز تمام مومنین کے لئے عظیم الشان آیت الٰہی ٹھیرا۔ اس کے انوار و تبرکات کے بارے میں علامہ فخرالدین رازی کا بیان ہے کہ

"بنی اسرائیل اس صندوق کے وسیلے سے فتح طلب کرتے تھے اور فتح و نصرت کے لئے جنگ میں اس کو آگے کر دیتے تھے" (تفسیر کبیر)

اس صندوق میں حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام کے کون کون سے تبرکات تھے؟ اس کے متعلق تمام مفسرین کا متفقہ بیان ہے کہ

وهی نعلا موسیٰ وعصاه وعمامة هارون وقفیز من المن الذی کان ینزل علیهم ورضاض من الالواح (عامہ تفاسیر)

وہ (تبرکات) موسیٰ علیہ السلام کی نعلین اور آپ کا عصا اور حضرت ہارون علیہ السلام کا عمامہ اور تھوڑا سا من و سلویٰ جو بنی اسرائیل پر اترا تھا۔ اور چند ٹکڑے تورات کی تختیوں کے تھے۔

تبرکات مشائخ کی تعظیم پر پھبتیاں کسنے والے ذرا ٹھنڈے دل سے غور کریں کہ تعظیم تبرکات نہ صرف بنی اسرائیل و انبیاء بنی اسرائیل کی سنت ہے بلکہ یہ سنت الٰہیہ بھی ہے کہ تبرکات تابوت کے نقل و حمل کے لئے باری تعالیٰ نے ساکنان عالم قدس یعنی ملائکہ مقربین کے مقدس شانوں کو منتخب فرمایا۔

تعظیم تبرکات خیر القرون میں

حدیث (۱)۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے (منیٰ میں) حجام کو بلا کر داہنی جانب کے بال مونڈنے کا حکم فرمایا اور حضرت ابوطلحہ انصاری کو بلا کر موئے مبارک انھیں بطور تبرک عطا فرمایا۔ پھر بائیں جانب کے بال مونڈنے کا حکم فرمایا اور ابوطلحہ کو بال عطا فرما کر حکم فرمایا کہ اس کو لوگوں میں تقسیم کر دو۔ (بخاری و مسلم)

حدیث (۲)۔ حضرت طلق بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ انھوں نے فرمایا کہ ہم لوگ بصورت وفد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ پھر ہم لوگوں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے بیعت کی اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ نماز پڑھی اور پھر یہ عرض کیا کہ ہماری زمین پر ایک گرجا گھر ہے۔ پھر ہم نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے آپ کے وضو کا بچا ہوا پانی بطور تبرک مانگا اور آپ نے پانی منگایا اور وضو فرمایا اور اس میں کلی بھی فرمائی۔ پھر ایک مشکیزہ میں ڈال کر ہمیں لے جانے کا حکم فرمایا اور یہ ارشاد فرمایا کہ جب تم اپنی زمین میں جاؤ تو گرجا گھر کو توڑ دو اور اس پانی کو اس جگہ (تبرکاً) چھڑک دو۔ اور اسی جگہ مسجد بنالو۔ تو ہم نے کہا کہ ہمارا شہر بہت دور ہے اور گرمی بہت سخت ہے۔ یہ پانی تو خشک ہو جائے گا۔ تو آپ نے فرمایا کہ اس میں پانی ملا کر بڑھا لینا۔ یہ جتنا بھی بڑھتا جائے گا سب طیب و پاکیزہ ہی ہوتا چلا جائے گا۔ (مشکوٰۃ شریف)

اس حدیث سے خاص بعد بیعت تبرکات دینا اور تبرکات کو دور دراز کے شہروں میں غائبین کے لئے لے جانا سبھی وہ چیزیں ثابت ہوگئیں۔ جو خیر القرون سے آج تک مشائخ صوفیہ میں رائج ہیں۔

حدیث (۳)۔ حضرت اسماء بنت ابوبکر سے روایت ہے کہ انھوں نے ایک اونی جبہ کسروانی ساخت کا نکالا جس کی پلیٹ ریشمین تھی۔ اور اس کے دونوں چاک پر بھی ریشم کی گوٹ تھی پھر کہا کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ جبہ ہے۔ یہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس تھا۔ جب ان کی وفات ہوگئی تو میں نے اسے اپنے قبضہ میں کر لیا۔ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس کو پہنتے تھے۔ لہٰذا ہم اس کو دھو دھو کر مریضوں کو پلاتے ہیں اور اس کے وسیلے سے شفا طلب کرتے ہیں۔

(مسلم شریف)

شفائے قاضی عیاض میں حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا واقعہ تحریر ہے کہ

"حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ٹوپی میں کچھ موئے مبارک سلے ہوتے تھے۔ کسی لڑائی میں وہ ٹوپی گر گئی تو آپ نے اتنا شدید حملہ کیا کہ صحابۂ کرام نے اس کو پسند نہیں فرمایا کیونکہ اس حملے میں بہت سے مسلمان شہید ہو گئے تھے۔ حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ میں نے یہ حملہ ٹوپی کے لئے نہیں کیا تھا بلکہ اس موئے مبارک کے لئے یہ حملہ تھا جو ٹوپی میں تھے کہ کہیں اس کی برکت مجھ سے چھین نہ لی جائے اور مشرکین کے ہاتھ نہ لگ جائے۔" (شفا شریف)

اس کے بعد یہی صاحب شفا تعظیم آثار نبویہ کے بارے میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا ایک عجیب وغریب واقعہ نقل فرماتے ہیں کہ

"حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو دیکھا گیا کہ منبر نبوی کی جلوس گاہ پر ہاتھ رکھ کر اس ہاتھ کو اپنے منہ پر پھیر لیا۔" (شفا شریف)

ان کے علاوہ بکثرت احادیث صحیحہ اس مضمون کی مروی ہیں کہ صحابۂ کرام حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لعاب دہن اور وضو کے پانی کو بطور تبرک چہرے اور آنکھوں پر ملتے تھے اور اپنے پانی کے برتن لوگ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس لاتے تھے تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام تبرکاً اس میں اپنا دست مبارک ڈال دیتے تھے۔

الحاصل آثار و تبرکات بزرگان سے برکت حاصل کرنا اور ان کی تعظیم کرنا، انبیائے سابقین سے تا عہد خاتم النبیین اور پھر دور صحابہ سے آج تک یہ سلسلہ جاری ہے جس کا انکار درحقیقت آفتاب عالمتاب کا انکار ہے۔

خرقۂ مشایخ

معمول ہے کہ مشایخ کرام اپنے مریدین وخلفاء کو بوقت بیعت وخلافت عموماً اپنا عمامہ، یا کلاہ، یا جبہ وغیرہ عنایت فرماتے ہیں، اسی کو عرف عام میں خرقہ کہتے ہیں۔ اگرچہ اصطلاح تصوف میں خرقہ کے اصل معنی پیر ومرید کے درمیان ایک ارتباط خاص ہو جانے کے ہیں۔ چنانچہ عوارف المعارف شریف میں ہے کہ

"خرقہ پہننا درحقیقت پیر ومرید کے درمیان ایک خاص تعلق ہو جانا اور پیر کو اپنے نفس

پر حاکم بنا لینا ہے۔"

عمامہ، جبہ وغیرہ درحقیقت اصطلاحی خرقہ کی ایک ظاہری علامت ہے لیکن عام طور پر عرف میں خرقہ سے مراد وہی کپڑا ہوتا ہے جو شیخ کی طرف سے مرید کو مرحمت ہوتا ہے۔

بہرکیف مشائخ کی خرقہ پوشی کی اصل شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ثابت ہے اور دوسرے تمام معمولات صوفیہ کی طرح اس معمول کی اصل بھی خیر القرون میں موجود تھی۔ اگرچہ اس کے بعض جزئیات و لوازم مروجہ ثابت نہیں لیکن وہ بھی اہل اللہ کے تعامل و استحسان کی وجہ سے از روئے شریعت فعل حسن ہی قرار پائیں گے۔ اس بارے میں چند حدیثیں قابل ذکر ہیں:۔

حدیث (۱) حضرت ام خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس کچھ کپڑے لائے گئے جن میں ایک چھوٹی سی کالی کملی بھی تھی تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ یہ میں کس کو پہناؤں؟ قوم خاموش رہی۔ پھر خود ہی فرمایا کہ میرے پاس اُم خالد کو لاؤ۔ چنانچہ اُم خالد کہتی ہیں کہ لوگ مجھے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں لائے تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے وہ کملی مجھے اپنے دست مبارک سے پہنا کر دو مرتبہ یہ فرمایا کہ تو اس کو پُرانی کر اور پھاڑ (یعنی تیری عمر دراز ہو کہ تو اس کو پہن کر پُرانی کرے (عوارف وغیرہ)

اِس حدیث کو نقل کر کے شیخ شہاب الدین سہروردی علیہ الرحمۃ نے فرمایا:

ولا خفاء ان لبس الخرقة على الهيئة اللتى يعتمدها الشيوخ لم يكن فى زمن رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم و هٰذه الهيئة والاجتماع لها والاعتداد بها من استحسان المشائخ واصله من الحديث ما رويناه۔ (عوارف المعارف)	پوشیدہ نہ رہے کہ خرقہ پوشی جس شکل میں کہ مشائخ اس کا اعتبار کرتے ہیں۔ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں نہیں تھی اور یہ طریقہ اور اس کے لئے مجمع کرنا اور سامان تیار کرنا یہ سب ایسے کام ہیں جن کو مشائخ نے ایک اچھا کام شمار کیا ہے اور اس کام کی اصل (دلیل شرعی) وہ حدیث ہے جو ہم نے اوپر روایت کی ہے (یعنی حدیث ام خالد)

حدیث (۲) طبرانی کی روایت میں ہے کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب کسی کو والی (گورنر) بنا کر کہیں روانہ فرماتے تو اس کی دستار بندی فرماتے اور شملہ دائیں جانب سے کان

کی طرف چھوڑتے۔ (دار المعارف)

حدیث (۴) حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے۔ انھوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم غدیر خم کے دن میری دستار بندی فرمائی اور شملہ میرے پیچھے چھوڑا۔ (دار المعارف)

اسی طرح صوفیہ کرام خرقہ کے ثبوت کے لئے اس حدیث کو بھی دلیل کے طور پر پیش فرماتے ہیں۔ کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت اویس قرنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس اپنا جبہ شریف بھیجا تھا۔ چنانچہ حضرت مخدوم اشرف جہانگیر سمنانی علیہ الرحمۃ سے جب خرقہ پوشی کی رسم کا سوال کیا گیا تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ:

نمی بینی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خرقہ مبارک نزد خواجہ اویس قرنی فرستاد۔ (لطائف اشرفی)

کیا تم نہیں دیکھتے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خواجہ اویس قرنی کے پاس خرقہ مبارک بھیجا تھا؟

مذکورہ بالا حدیثوں سے واضح ہوگیا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ام خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو کالی کملی اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور دوسرے والیوں کو عمامہ اور حضرت اویس قرنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جبہ عنایت فرمایا اور جیسا کہ طبرانی کی روایت سے ثابت ہے کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہر والی کی اپنے دست مبارک سے دستار بندی فرماتے۔ اہل فہم پر روشن ہے کہ مشائخ کی مروجہ خرقہ پوشی اور عہد رسالت کے والیوں کی دستار بندی میں ذرا بھی فرق نہیں بلکہ سچ پوچھو تو مشائخ کی خرقہ پوشی درحقیقت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اسی مبارک سنت کو زندہ کرنا اور زندہ رکھنا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

احکام مزارات

فاتحہ ایصال ثواب میں مشائخ کرام کا طریقہ جس کو عرف عام میں فاتحہ بھی کہتے ہیں، یہ ہے کہ کچھ کھانا یا شیرینی وغیرہ سامنے رکھکر الحمد شریف اور دوسری چند سورتیں اور آیتیں اور درود شریف پڑھ کر، ہاتھ اٹھا کر میت کے لئے دعا کرتے ہیں اور جناب باری میں عرض کرتے ہیں کہ اس تلاوت اور خیرات کا ثواب فلاں شخص کو پہنچے۔

طریق مذکور میں تین چیزیں تحقیق طلب ہیں۔ ایصال ثواب۔ کھانا سامنے رکھ کر تلاوت، ہاتھ اٹھا کر دعا۔ بحمدہ تعالیٰ یہ تینوں باتیں احادیث سے ثابت ہیں اور تمام علماء و مشائخ اہلسنت کا معمول ہیں۔

ایصالِ ثواب یہ مسئلہ علماء و مشائخ اہلسنت کا متفق علیہ و اجماعی مسئلہ ہے اور اہلسنت کا یہ مسلمہ عقیدہ ہے کہ زندوں کے اعمال مُردوں کے لئے نفع بخش ہیں۔ چنانچہ شرح عقائد نسفیہ میں ہے۔

فی دعاء الاحیاء للاموات وصدقتھم عنھم نفع خلافا للمعتزلہ۔	زندہ لوگ اگر مُردوں کے لئے دعا کریں یا مُردوں کی طرف سے صدقہ کریں تو اس سے مُردوں کو فائدہ پہنچتا ہے اور اس مسئلہ میں صرف (گمراہ فرقہ) معتزلہ کا اختلاف ہے۔

اسی طرح ہدایہ ص۲۶۳ باب الحج عن الغیر میں ہے۔

ان الانسان لہ ان یجعل ثواب عملہ لغیرہ صلاۃ کان او صوما او صدقۃ او غیرھا عند اھل السنۃ والجماعۃ۔	ہر انسان کے لئے یقیناً یہ جائز ہے کہ وہ اپنے عمل کا ثواب کسی غیر کو بخش دے۔ نماز ہو یا روزہ، صدقہ ہو یا اس کے علاوہ یہی اہل سنت وجماعت کا مذہب ہے۔

اس بارے میں حدیثیں بکثرت وارد ہوئی ہیں لیکن ہم یہاں صرف تین حدیثوں کے ترجمہ پر اکتفا کرتے ہیں:

(۱) حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ میری ماں اچانک مر گئی۔ اب میرے کسی عمل سے اس کو نفع پہنچ سکتا ہے یا نہیں؟ تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ کیوں نہیں۔ تم کنواں کھدواؤ اور اس کے پاس حاضر ہو کر یوں کہہ دو کہ اس کا ثواب سعد کی ماں کو پہنچے۔ (صحیحین)

(۲) ایک شخص نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے دریافت کیا کہ میں اپنے والدین کے ساتھ ان کی زندگی میں احسان و سلوک کیا کرتا تھا تو کیا اب ان کے مرنے کے بعد بھی کچھ کر سکتا ہوں؟ تو ارشاد فرمایا کہ تم اپنی نماز کے ساتھ ان کی طرف سے کچھ نمازیں پڑھ لو اور اپنے روزوں کے ساتھ ان کی طرف سے کچھ روزے رکھ لو (یعنی کچھ نمازوں اور روزوں کا ثواب انھیں بخش دو) (طبرانی)

(۳) ایک شخص نے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ میری ماں کا انتقال ہو گیا ہے اگر میں اس کی طرف سے کچھ صدقہ کردوں تو کیا اس کا ثواب پہنچے گا۔ تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ

"ہاں ثواب پہنچے گا" (بخاری شریف)

کھانا سامنے رکھ کر تلاوت

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ ان کی والدہ اُم سلیم رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کھجور، گھی، پنیر ملا کر مالیدہ بنایا اور سینی میں رکھ کر حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بدست حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں بھیجا تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سامنے رکھنے کا حکم فرمایا اور حضرت انس کو لوگوں کو بلانے کے لئے بھیجا۔ جب حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ واپس لوٹے تو گھر آدمیوں سے بھر گیا تھا جس میں تقریباً تین سو آدمی تھے۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا چشم دید بیان ہے کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنا دست مبارک اس مالیدہ پر رکھا اور جو کچھ خدا نے چاہا اس پر آپ نے پڑھا۔ پھر دس دس آدمیوں کو بلانے لگے کہ اس میں کھائیں، یہاں تک کہ سب آدمیوں نے کھالیا۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ پھر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مجھے اس کو اٹھانے کا حکم دیا تو مجھے یہ نہیں معلوم ہوا کہ جب میں نے اس کو رکھا تھا اس وقت وہ زیادہ تھا، یا جب اٹھایا (یعنی بالکل کم نہیں ہوا تھا)۔ (مشکوٰۃ شریف)

حدیث مذکور ایک طویل حدیث کا خلاصہ ہے۔ جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ کھانا سامنے رکھ کر کچھ پڑھنا یا تلاوت کرنا۔ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سنت ہے۔

ہاتھ اُٹھا کر فاتحہ ایصال ثواب میں ہاتھ اٹھا کر دُعا کرنا یہ کوئی اختلاف کی چیز نہیں۔ نہ ہی یہ کوئی ضروریات فاتحہ میں داخل ہے۔ کون نہیں جانتا کہ فاتحہ ایک دعا ہے اور نماز کے باہر ہر دعا میں ہاتھ اٹھانا سنت ہے۔ ترمذی شریف کی حدیث ہے:

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دونوں ہاتھ جب دعا میں اٹھاتے تھے تو اس وقت تک ہاتھ نیچے نہ کرتے تھے جب تک کہ دونوں ہاتھوں کو چہرے پر نہ پھیر لیں (ترمذی)

حدیث مذکور سے ثابت ہوا کہ دعا کے وقت ہاتھ اٹھانا اور دعا ختم کر کے چہرے پر ہاتھ پھیر لینا سنت ہے فاتحہ بھی ایک دعا ہے۔ لہٰذا اس میں بھی ہاتھ اٹھانا مسنون ثابت ہوا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عرس کے معنی لغت میں شادی کے ہیں اور اصطلاح مشایخ میں اولیاء و علماء و بزرگان دین کے یوم وفات کو عرس کہتے ہیں۔ حدیث شریف میں ہے کہ مومنین صالحین جب اپنی قبروں میں منکر

نکیر کے سوال وجواب سے فارغ ہوجاتے ہیں تو فرشتے ان کی قبروں میں انھیں بہشتی لباس پہناکر جنتی بستر پر لٹا کر اور جنت کا دریچہ کھول کر یوں کہتے ہیں نم کنومۃ العروس یعنی سوجاؤ جیسے دلہن سوتی ہے۔ تو چونکہ اللہ والوں کا یوم وصال ان کے لئے دلہن بننے کا دن ہوتا ہے اس لئے اس دن کو یوم العروس یعنی شادی کا دن کہتے ہیں۔ مشائخ کرام کا معمول ہے کہ خاص اس دن اولیاء اللہ کی قبروں پر بصورت اجتماع حاضر ہوتے ہیں، جہاں تلاوت قرآن مجید یا وظائف و اذکار پڑھ کر اور صدقات وخیرات کرکے ان کی ارواح کو ایصال ثواب کیا جاتا ہے اور بصورت مراقبہ ان کی قبروں سے فیض کی تحصیل اور ان کیلئے دعا کی جاتی ہے۔

ظاہر ہے کہ یہ سب کام جائز بلکہ باعث ثواب ہیں، اور واضح رہے کہ جس طرح قبروں کی زیارت اور ایصال ثواب حدیثوں سے ثابت ہیں اسی طرح قبروں کی زیارت کے لئے دن اور تاریخ کا مقرر کرنا بھی حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے ثابت ہے۔ چنانچہ تفسیر کبیر میں متعدد صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے مروی ہے کہ

> نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہر سال کے شروع میں شہدائے احد کی قبروں پر تشریف لے جاتے تھے اور قبروں کے پاس یوں فرماتے تھے کہ اے احد کے شہیدو! تم پر سلام ہو کیونکہ تم لوگوں نے صبر کیا، اور خلفائے راشدین بھی یوں ہی کرتے تھے۔

ظاہر ہے کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا ایک تاریخ معین پر شہدائے احد کے مزاروں کی زیارت کے لئے تشریف لے جانا اور پھر بطریق تعیین ہمیشہ اسی تاریخ پر جانا اور ان پر سلام پڑھنا اور ان کے لئے دعا کرنا بعینہٖ عرس مشائخ کا طریقہ ہے۔ اور درحقیقت یہی عرس کی حقیقت بھی ہے جس کے جواز و استحسان پر خیر القرون سے آج تک تمام اہل سنت کا اتفاق ہے۔

ایک ضروری تنبیہہ

بعض عرس کے منکرین یوں کہتے ہیں کہ چونکہ عرسوں میں بہت سی ناجائز باتیں ہوتی ہیں۔ لہٰذا عرس کرنا حرام ہے۔ ان کا جواب یہ ہے کہ اگر کسی عرس میں خرافات اور ناجائز باتیں مثلاً رنڈیوں کا ناچ، گانا بجانا، عورتوں مردوں کا اختلاط، طواف و سجدۂ قبر وغیرہ ہوں تو یہ ناجائز باتیں یقیناً حرام و ناجائز ہوں گی۔ مگر نفس عرس جس کی حقیقت ہم نے بیان کی وہ بلاشبہ جائز ہی رہے گا۔ عرسوں میں فی زمانہ جو خرافات رائج ہوگئے ہیں ان کو سختی سے روکنا اور اصلاح کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے مگر بجائے ان خرافات کو رد کرنے کے نفس عرس ہی کو حرام کردینا۔ یعنی ناک پر مکھی بیٹھ جانے سے بجائے مکھی اڑانے کے ناک ہی کا صفایا کردینا کہاں کی دانشمندی ہے؟ خداوندِ کریم ان بیچارے خشک مغز ملاؤں کو علم وفہم عطا فرمائے کہ عوارض کی حرمت کا نفس شے پر کیا

اثر پڑ سکتا ہے؟ عوارض لاکھ حرام سہی مگر یہاں تو سوال نفس عرس کا ہے اگر صداقت ہے تو اس کی حرمت پر کوئی دلیل پیش کرو! کیا اگر کچھ لوگ اپنی شامت اعمال سے حج میں چوریاں، ناجائز تجارتیں، بدنگاہیاں، حرم الٰہی کی بے ادبیاں کرنے لگیں تو اس کی وجہ سے حج ہی حرام کہہ دیا جائے گا۔ ہرگز نہیں! بلکہ یہی کیا جائے گا کہ حرام باتوں سے منع کیا جائے گا۔ حج سے کسی کو نہیں روکا جائے گا۔ اسی طرح اگر بعض عرسوں میں کچھ فساق و فجار ناجائز و حرام باتیں کرتے ہیں تو ان کو منع کیا جائے گا مگر یہ ہرگز فتویٰ نہیں دیا جائے گا کہ عرس کرنا ہی حرام ہے۔

قبۂ مزارات

مقابر اہل اللہ پر قبوں کی تعمیر میں فقہا کا اختلاف ہے مگر صحیح و مفتی بہ قول یہی ہے کہ اگر غرض صحیح کے لئے ہو تو بلاشبہ جائز ہے اور درحقیقت یہ اختلاف کوئی اختلاف حقیقی نہیں بلکہ نزاع لفظی ہے۔ مانعین و مجوزین میں ہر ایک جس کو یہ منع کرتے ہیں اُس کو وہ بھی جائز نہیں کہتے اور جس کو یہ جائز کہتے ہیں اس کو وہ بھی منع نہیں کرتے۔ جن جن فقہا نے منع کیا ہے، اسی جگہ منع کیا ہے جہاں کوئی شرعی مانع ہو۔ مثلاً غیر کی ملک میں تعمیر ہو۔ یا بہ نیت تفاخر ہو یا محض بے فائدہ ہو۔ لیکن اگر یہ صورتیں نہ ہوں اور کوئی غرض صحیح ہو۔ مثلاً زائرین کے آرام کے لئے یا عوام و جہّال کی نظر میں صاحب مزار کی عظمت پیدا کرنے کے لئے یا کفار کی توہین سے بچانے کے لئے ہو تو اس وقت اس میں کسی کا بھی اختلاف نہیں۔ چنانچہ علامہ ابن حجر عسقلانی فتح الباری میں فرماتے ہیں کہ

ضرب الفسطاط ان کان لغرض صحیح کالتستر من الشمس للحی لا لاظلال المیت جاز۔	قبر پر خیمہ گاڑنا اگر کسی غرض صحیح کے لئے ہو مثلاً زندوں کو دھوپ سے بچنے کے لئے ہو تو یہ جائز ہے۔ ہاں اس خیال سے خیمہ نہ گاڑا جائیگا کہ اس سے مردوں کو سایہ ملے گا۔

اسی طرح کشف النور میں علامہ عبدالغنی نابلسی علیہ الرحمہ نے فرمایا:

فبناء القباب علی قبور العلماء والاولیاء والصلحاء امر جائز اذا قصد بذلك التعظیم فی اعین الناس حتی لا یحتقر وصاحب القبر۔	علماء، اولیاء، صلحاء کی قبروں پر قبوں کی تعمیر جائز ہے جب کہ اس سے مقصود لوگوں کی نگاہوں میں عظمت پیدا کرنا ہو۔ تاکہ لوگ صاحب قبر کی تحقیر نہ کریں۔

روایت فقہاء کے علاوہ اس کا ثبوت سنت صحابہ سے بھی ہے۔ چنانچہ علامہ احمد ابن علی مصری

نے فصل الخطاب میں تصریح کی ہے کہ قبروں پر خیمہ گاڑنا حضرات خلفائے راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے زمانے سے ثابت ہے چنانچہ ملک العلماء ابوبکر مسعود کاشانی قدس سرہٗ نے بدائع میں فرمایا کہ

روی ان عبد اللہ بن عباس لما مات بالطائف صلی علیہ محمد بن الحنفیۃ وجعل قبرہ مسنما وضرب علیہ فسطاطا۔	مروی ہے کہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے جب طائف میں وفات پائی تو محمد بن حنفیہ نے ان کی نماز جنازہ پڑھی اور ان کی قبر کو مسنم بنایا اور اس پر خیمہ نصب کیا۔

اسی طرح عینی میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی قبر پر، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قبر پر، حضرت فاطمہ بنت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اپنے شوہر حسن بن حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی قبر پر خیمہ نصب کیا (الحجۃ القاطعہ)

فائدہ بعض احادیث میں قبروں پر عمارت بنانے کی ممانعت کا ذکر ہے۔ واضح رہے کہ ان سب احادیث سے مراد وہ صورتیں ہیں جو ان دنوں یہود و نصاریٰ میں رائج تھیں کہ وہ اپنے انبیاء کی قبروں کو مسجد بناتے تھے۔ چنانچہ حدیث شریف میں وارد ہوا کہ

لعن اللہ الیھود والنصاریٰ اتخذوا قبور انبیاءھم مساجد۔	اللہ تعالیٰ یہود و نصاریٰ پر لعنت فرمائے کہ انہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو مسجد بنالیا۔

حدیث مذکور دلیل صریح ہے کہ یہود و نصاریٰ موجب لعنت اس وجہ سے ہوئے کہ انھوں نے قبور انبیاء کو مسجد بنالیا تھا۔ تعمیر قبور کی ممانعت کی حدیثوں سے اسی صورت کو منع کرنا مقصود تھا ورنہ مطلقاً تعمیر تو جیسا کہ مذکور ہوا خیر القرون میں بھی خیموں کی صورت میں رائج تھی پھر اس کی ممانعت کیونکر ہوسکتی ہے۔

اسی طرح جو بعض احادیث میں آیا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اونچی قبروں کو ڈھانے اور تصویریں کے مٹانے کا حکم دیا تھا تو واضح رہے کہ ان قبروں سے مراد مومنین کی قبریں نہیں ہوسکتیں بلکہ یقیناً ان قبروں سے مراد مشرکین یا یہود و نصاریٰ کی قبریں تھیں۔ ان قبروں کے ڈھانے کے ساتھ تصویروں کے مٹانے کا حکم اس پر زبردست قرینہ بھی ہے کیونکہ تصویروں کا رواج یہود و

نصاریٰ ہی کی قبروں پر تھا ورنہ ہر ذی عقل سمجھ سکتا ہے کہ مدینہ طیبہ میں جس قدر بھی مومنین کی قبریں تھیں ظاہر ہے کہ وہ سب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے علم و اجازت ہی سے بنی تھیں پھر ان کے ڈھانے اور مٹانے کا حکم کیا معنیٰ رکھتا ہے۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ ان قبروں سے مراد کفار کی قبریں تھیں اور کفار ہی کی قبروں کو کھودنا اور ڈھانا جائز بھی ہے۔ جیسا کہ بخاری شریف میں ہے کہ امر النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بقبور المشرکین فنبشت ”یعنی نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مشرکین کی قبروں کو ڈھانے کا حکم فرمایا تو وہ کھود ڈالی گئیں“ ورنہ کون نہیں جانتا کہ مسلمانوں کی قبروں کو کھودنا اور ڈھانا یقیناً مسلمان میت کی ایذا رسانی اور ان کی توہین ہے جو سخت حرام ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

غلاف و چادر مزارات اولیاء اللہ پر غلاف و چادر ڈالنے کو جمہور فقہائے نے جائز لکھا ہے۔ اور حدیث سے اس مسئلہ میں سند لاتے ہیں۔ چنانچہ سنن ابو داؤد میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ قاسم بن محمد بن ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہم کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس حاضر ہو کر عرض کیا کہ

یا اماہ اکشفی لی قبر النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم — اے اماں جان! میری خاطر نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی قبر کا پردہ ہٹا دیجئے

دوسری حدیث میں بھی یہی الفاظ ہیں کہ ایک عورت نے کہا کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے گزارش کی کہ

یا اماہ اکشفی لی قبر النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فکشفت لہا فبکت حتی ماتت۔ — اے اماں جان! میری خاطر نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی قبر کا پردہ اٹھا دیجئے تو انھوں نے قبر کا پردہ ہٹا دیا اور وہ عورت روتے روتے مر گئی۔

کشف کے معنیٰ کسی چیز پر سے پردہ اٹھانے کے ہیں۔ حدیثوں میں اکشفی کا لفظ وارد ہوا۔ جس سے مفہوم ہوتا ہے کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی قبر پر کوئی پردہ یا غلاف پڑا ہوا تھا جس کو اٹھا کر حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے مزار پُرانوار کی زیارت سے ان کو مشرف فرمایا۔ چنانچہ مشائخ کرام کا معمول ہے کہ بزرگان دین کے مزارات پر چادر یا غلاف ڈال دیا کرتے ہیں اور اس کو فقہاء نے جائز لکھا ہے جیسا کہ علامہ عبد الغنی نابلسی علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ

وضع الستور والعمائم والثیاب علی قبور... امر جائز۔ (کشف النور) — غلاف، پگڑیاں اور کپڑے اولیاء اللہ کی قبروں پر ڈالنا جائز ہے۔

دوسرے فقہائے کرام نے بھی اس کے جواز پر فتویٰ دیا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

برگ و گل مزارات اہل اللہ پر پھول پتی ڈالنا جیسا کہ مشائخ کا معمول ہے۔ بلا شبہ جائز ہے۔ فتاویٰ غرائب وکنز العباد میں ہے:

وضع الورود والریاحین علی القبور حسن لانه مادام رطبا یسبح ویکون للمیت انس بتسبیحه۔ (حیات الموات)

گلاب اور خوشبودار پھولوں کا قبروں پر ڈالنا اچھا ہے۔ کیونکہ وہ جب تک تازہ رہیں گے تسبیح کریں گے اور میت کو ان کی تسبیح سے اُنس حاصل ہوگا۔

اور خاص اس کی سند حدیث شریف میں بھی موجود ہے چنانچہ مشکوٰۃ شریف میں ہے:

نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دو قبروں کے پاس سے گزرے تو فرمایا کہ ان دونوں قبر والوں کو عذاب دیا جا رہا ہے اور یہ دونوں کسی بڑے گناہ میں عذاب نہیں دیئے جاتے ہیں۔ ان میں سے ایک کا یہ جرم تھا کہ وہ پیشاب سے نہیں بچتا تھا اور دوسرا چغلی کھاتا پھرتا تھا۔ پھر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک گیلی شاخ لے کر اس کو دو حصوں میں چیر دیا۔ پھر ہر قبر میں ایک ایک کو گاڑ دیا۔ جب لوگوں نے عرض کیا کہ آپ نے ایسا کیوں کیا؟ تو فرمایا تاکہ ان کے عذاب میں تخفیف کر دی جائے۔ جب تک یہ دونوں شاخیں خشک نہ ہوں۔

شارحین حدیث نے زیر حدیث مذکور فرمایا لانهما یسبحان مادامار طبین یعنی عذاب میں اس لئے تخفیف ہوگی کہ وہ شاخیں جب تک گیلی رہیں گی تسبیح پڑھیں گی۔ جب تر شاخ کا قبر پر رکھنا اور اس کے فوائد حدیث شریف سے ثابت ہیں تو چھر پھول پتی اور گیلی شاخ میں کوئی فرق نہیں۔ سب تسبیح پڑھنے میں برابر ہیں اور فائدہ مذکور سب پر مرتب ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

روشنی مزارات چراغاں کرنا مزار ہو یا کہیں اور اگر بلا کسی غرض محمود کے ہو تو بے شک عبث و ناروا ہے اور اگر کسی غرض صحیح کے لئے ہو تو اس کے جواز میں کسی کو کلام نہیں۔

مثلاً (۱) مزار کے قریب مسجد ہو کہ مصلیوں کو آرام ملے (۲) مقابر سر راہ ہوں کہ راستہ چلنے والوں کو بھی فائدہ پہنچے گا اور قبر والوں کو بھی، کیونکہ مسلمان مقابر مسلمین کو دیکھ کر سلام کریں گے، فاتحہ پڑھیں گے دعا کریں گے (۳) قبرستان میں رات کے وقت بغرض فاتحہ و مراقبہ لوگ آتے ہوں اور قرآن شریف وغیرہ پڑھتے ہوں۔ (۴) یہ ظاہر کرنے کے لئے کہ یہ کسی اہل اللہ کا مزار ہے تاکہ عوام بادب

پیش آئیں وغیرہ وغیرہ۔

اس کے مثل دیگر فوائد ممدوحہ اگر موجود ہوں تو مزارات پر چراغاں ہرگز ممنوع نہیں بلکہ بہ نیت خیر باعث خیر ہے اور جن جن احادیث و اقوال آئمہ میں اس کی ممانعت وارد ہے۔ یہ واضح رہے کہ ان سے مراد وہی صورتیں ہیں جہاں غرض صحیح کے لئے نہ ہو یا دوسرا کوئی فساد شرعی ہو مثلاً تفاخر وغیرہ کی نیت سے ہو۔ ورنہ غرض صحیح کی صورت میں اس کی ممانعت کی کوئی وجہ نہیں۔ علامہ عبدالغنی نابلسی قدس سرہ نے کشف النور میں فرمایا:

ایقاد القنادیل والشمع للاولیاء لوقد عند قبورهم تعظیما لهم ومحبة فیهم امر جائز لا ینبغی النهی عنه

قندیلیں اور موم بتیاں جلانا اولیاء کی قبروں کے پاس تعظیم و محبت کے لئے جائز ہے۔ اس کو منع نہیں کرنا چاہیئے۔

علاوہ ازیں اور بھی بہت سے فقہائے کرام نے اس کے جواز کی تصریح کی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

تصرفات وفیضان ارواح

حضرت مولانا شاہ ولی اللہ محدث دہلوی قدس سرہٗ العزیز نے اہل برزخ کو چار قسم کرکے ارشاد فرمایا کہ

جب اولیاء اللہ انتقال کرتے ہیں تو وہ اپنے بدنی علائق کو منقطع کرکے ملائکہ کے ساتھ مل جاتے ہیں اور انھیں میں سے ہو جاتے ہیں جس طرح فرشتے آدمیوں کے دل میں نیک باتوں کا القا کرتے ہیں یہ لوگ بھی کرتے ہیں اور جن کاموں میں فرشتے کوشش کرتے ہیں یہ لوگ بھی کرتے ہیں کبھی یہ پاک روحیں خدا کا بول بالا کرنے اور اس کے لشکروں کی مدد کرنے میں مشغول ہوتی ہیں یعنی کفار سے جہاد کے وقت مسلمانوں کی امداد کرتی ہیں اور کبھی بنی آدم سے اس لئے قریب ہوتی ہیں کہ ان پر فاضۂ خیر فرمائیں۔ (حجۃ اللہ البالغہ)

اسی طرح حضرت مولانا قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی علیہ الرحمۃ نے اپنی کتاب تذکرۃ الموتی میں تحریر فرمایا کہ

اولیاء اللہ نے فرمایا ہے کہ ہماری روحیں ہمارے جسم کا کام انجام دیتی ہیں بلا شبہ اولیاء اللہ کی روحیں زمین و آسمان اور جنت میں جہاں چاہتی ہیں چلی جاتی ہیں اور ان کی

حیات کی وجہ سے ان کے جسم کو قبر میں مٹی نہیں کھا سکتی۔ بلکہ بعضوں کا تو کفن بھی سلامت رہتا ہے۔ ابن ابی الدنیا نے امام مالک سے روایت کی ہے کہ مومنین کی روحیں جہاں چاہتی ہیں سیر کرتی ہیں۔ مومنین سے مراد کاملین ہیں۔ حق تعالیٰ ان کے جسموں کو روحوں کو طاقت دیتا ہے کہ وہ اپنی قبروں میں نماز پڑھتے ہیں، ذکر کرتے ہیں، قرآن پڑھتے ہیں۔

الحاصل اہلسنت کا مسلم عقیدہ ہے کہ ارواح مومنین بعد وفات آزاد ہو جاتی ہیں۔ اور ان سے تصرفات صادر ہوتے ہیں بلکہ خواص مومنین یعنی اولیاء و شہداء سے تو ان کی وفات کے بعد ان کی حیات ظاہری سے بھی زیادہ تصرفات صادر ہونے لگتے ہیں اور ان کے تصرفات کی قوتوں میں ان کی حیات سے فزوں تر اضافہ ہو جاتا ہے۔ چنانچہ وہ جہاں چاہتے ہیں چلے جاتے ہیں۔ اپنے زائرین کے کلام کو سنتے، دیکھتے پہچانتے ہیں۔ زائرین کے آداب سے خوش اور ان کی بے ادبی سے ناراض ہوتے ہیں جس پر بہت سی احادیث صحیحہ کی شہادت اعیان امت کی کتابوں میں موجود ہے مگر ہم یہاں بخوف طوالت صرف چند حدیثیں نقل کرتے ہیں:-

حدیث (۱) ایمان والے کی جب جان نکلتی ہے تو اس کی مثال ایسی ہے، جیسے کوئی قیدخانے میں تھا اب اسے نکال دیا گیا ہے کہ وہ زمین میں گشت کرتا اور با فراغت چلتا پھرتا ہے (حیات الموات)

حدیث (۲) حضرت امام احمد حضرت ابو سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ بے شک مردہ پہچانتا ہے جو اُسے غسل دے اور جو اُسے اُٹھائے اور جو اُسے قبر میں اُتارے۔ (حیات الموات)

حدیث (۳) ابن ابی الدنیا و ابن عساکر و خطیب بغدادی وغیرہ محدثین حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب آدمی کسی ایسی قبر پر گزرتا ہے جس سے جان پہچان نہ تھی۔ اور سلام کرتا ہے تو مردہ سلام کا جواب دیتا ہے۔ (حیات الموات)

حدیث (۴) دیلمی ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے راوی کہ سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کفن اچھا دو۔ اور چلا کر رونے یا اس کی وصیت میں دیر کرنے یا قطع رحم کرنے سے اپنی میت کو ایذا مت دو۔ اس کا قرض جلد ادا کر دو اور برے ہمسایہ سے الگ رکھو۔ یعنی کفار و اہل بدعت کے پاس دفن نہ کرو۔ (حیات الموات)

حدیث (۵)۔ امام احمد عمارہ بن خزم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مجھے ایک قبر سے تکیہ لگائے دیکھا تو فرمایا کہ تو اس قبر والے کو ایذا مت دے۔

اور حاکم وطبرانی کی روایت ہے :

یاصاحب القبر انزل من القبر	اے قبر والے! اُتر جا، تو قبر والے کو ایذا
لاتوذ صاحب القبر ولا یوذیک	دے نہ وہ تجھے تکلیف دے۔

علاوہ ازیں اور بھی بہت سی احادیث ہیں جن سے قسم قسم کے تصرفات کا ثبوت ہے مگر ہم انھیں پر اکتفا کرتے ہیں جو طالب حق کے لئے کافی ہیں۔ واللہ الھادی الی الرشاد وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ سیدنا محمد وّاٰلہ وصحبہ اجمعین برحمتہ وھو ارحم الراحمین والحمد للہ رب العالمین۔

حیاتِ خواجۂ اعظم

از ملک التحریر علامہ ارشدُ القادری
(بریڈ فورڈ لندن)

خواجۂ خواجگانؒ

تاریخ ولادت۔ سن ۵۳۰ھ بمقام سنجر علاقہ سیستان۔ تاریخ وصال۔ ۶ رجب المرجب سنہ ۶۲۷ھ بمقام اجمیر القدس۔ کل عمر شریف ۹۷ سال۔ نام نامی اسم گرامی، معین الدین حسن۔

القابات:۔ عطائے رسول۔ غریب نواز۔ خواجۂ بزرگ۔ آفتاب چشتیاں۔ سلطان الہند۔ نائب رسول اللہ۔ وارث الانبیاء۔

چشتی کہلانے کی وجہ

بیان کرتے ہیں کہ آپ کے سلسلۂ طریقت کے مورث اعلیٰ حضرت خواجہ ابواسحاق شامی رضی اللہ تعالےٰ عنہ، جب حصول بیعت کی غرض سے حضرت خواجہ ممشاد علو دینوری رضی اللہ تعالےٰ عنہ، کی سرکار میں حاضر ہوئے تو انہوں نے سب سے پہلے نام دریافت کیا۔ عرض کیا "عاجز کو ابواسحاق شامی کہتے ہیں"۔ فرمایا "آج سے ہم تجھے ابواسحاق چشتی کہیں گے اور قیامت تک جو تیرے سلسلے میں داخل ہوگا وہ بھی چشتی کہلائے گا۔" اسی نسبت سے خواجۂ بزرگ بھی چشتی کہلاتے ہیں۔

نسب نامہ

باپ کی طرف سے آپ کا سلسلۂ نسب گلگوں قبا شہید کربلا سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالےٰ عنہ اور ماں کی طرف سے امام الہدیٰ سید نا حسن مجتبیٰ رضی اللہ تعالےٰ عنہ تک پہنچتا ہے۔ سرکار غریب نواز کی والدہ ماجدہ حضور غوث پاک رضی اللہ تعالیٰ عنہ، کی چچازاد بہن ہیں اس رشتے سے حضور غوث پاک خواجہ غریب نواز کے ماموں ہوتے ہیں۔

عہد طفلی کا ایک رقت انگیز واقعہ

عید کا دن تھا۔ ہر طرف مسرتوں کی چہل پہل تھی۔ ساری فضا رنگارنگ کے پھولوں کی خوشبو سے مہک اٹھی تھی۔ آبادی کے ہر گوشے سے فرزندان اسلام کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر عیدگاہ کی طرف بڑھ رہا تھا۔ بیش قیمت پیراہن میں ملبوس حضرت خواجہ بھی اپنے گھر والوں کے ہمراہ عیدگاہ کے لیے روانہ ہوئے۔ اثنائے راہ میں ان کی نظر ایک نابینا لڑکے پر پڑی جو رہگزر کے قریب اداس و غمگین کھڑا تھا۔ اس کا اترا ہوا چہرہ، شکستہ پیراہن، غربت زدہ حال اور بیچارگی دیکھ کر حضرت خواجہ کا دل بھر

آیا۔ اُسی وقت اپنے کپڑے اتار کر اُس غریب و نابینا بچے کو پہنا دیے اور اُسے اپنے ہمراہ عیدگاہ لے گئے۔

اس واقعہ کی روشنی میں یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ بچپن ہی سے حضرت خواجہ "غریب نواز" تھے۔

تعلیم و تربیت

سات سال کی عمر شریف تک آپ کی پرورش خراسان میں ہوئی۔ ابتدائی تعلیم کا زمانہ والد بزرگوار کے زیر عاطفت گذرا۔ اس کے بعد سنجر کی مشہور درس گاہ میں داخل ہوئے اور وہیں سے تفسیر و حدیث اور فقہ کی تعلیم مکمل ہوئی۔ چودہ سال کی عمر شریف میں والد بزرگوار کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ آپ کے والد ماجد کا مزار مبارک بغداد مقدس میں ہے۔

ایک مجذوب سے ملاقات

کہتے ہیں کہ ایک دن آپ اپنے باغ کو سیراب کر رہے تھے کہ اپنے وقت کے مشہور مجذوب حضرت ابراہیم قندوزی باغ میں تشریف لائے۔ حضرت خواجہ نے نہایت عزت و اکرام سے انہیں بٹھایا۔ اور خوشۂ انگور سے ان کی تواضع فرمائی۔ خواجہ کے حسن سلوک سے مجذوب کا دل خوش ہوگیا۔ انہوں نے اپنی تھیلی سے سوکھی ہوئی روٹی کا ایک ٹکڑا نکالا اور دانت سے چبا کر حضرت خواجہ کو پیش کیا۔ اُسے کھاتے ہی دل کی حالت بدل گئی۔ سرمستیٔ عشق کی ایک ہی جنبش میں علائق کی زنجیر ٹوٹ گئی۔ اسی عالم میں حضرت خواجہ نے باغ اور پن چکی فروخت کر کے ساری قیمت فقراء و مساکین پر لٹا دی اور حالت بیخودی میں خراسان کی طرف نکل گئے۔

خراساں سے ہندوستان تک کا طویل سفر نامہ

۵۴۵ھ سے ۶۲۲ھ تک ستہتر ۷۷ سال کا اکثر حصہ آپ نے سفر میں گذارا ہے۔ اس درمیان میں کہیں ہفتوں، کہیں مہینوں، کہیں سالوں تک قیام بھی ثابت ہے۔ سفر کی پوری تاریخ چونکہ مرتب حالت میں نہیں ہے۔ اس لیے اجمالی طور پر صرف ان مقامات کی فہرست ذیل میں درج کی جاتی ہے جو دوران سفر میں سرکار خواجہ کے قدموں کے نیچے سے گذر گئے ہیں۔

(۱) خراسان (۲) سمرقند (۳) بخارا (۴) عراق عرب (۵) ہارون (۶) بغداد (۷) کرمان (۸) ہمدان (۹) تبریز (۱۰) استرآباد (۱۱) خرقان (۱۲) میمنہ (۱۳) ہرات (۱۴) افغانستان (۱۵) غزنی (۱۶) رے (۱۷) فالوجہ (۱۸) مکہ معظمہ (۱۹) مدینہ طیبہ (۲۰) بدخشاں (۲۱) دمشق (۲۲) جیلان (۲۳) اصفہان۔ (۲۴) چشت (۲۵) ہندوستان براہ ملتان، لاہور، سمانہ، دہلی، اجمیر القدس۔ اس سفرنامے میں بیس سال کی وہ مدت بھی شامل ہے۔ جو حضرت خواجہ نے اپنے پیر و مرشد حضرت خواجہ عثمان

ہارونی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ہمرکابی میں گذاری ہے۔ اس سفر میں سرکار بغداد حضرت غوث پاک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی حضرت خواجہ کی کئی بار ملاقات ہوئی ہے۔ ایک ملاقات میں سرکار خواجہ کے متعلق حضور غوث اعظم کی یہ بشارت بھی منقول ہے کہ "یہ مرد مقتدائے عالمین سے ہوگا اور اس کے ذریعہ بے شمار طالبان حق منزل مقصود کو پہنچیں گے۔"

مرشد سے ملاقات

انیس الارواح نامی کتاب میں خود حضرت خواجہ نے اپنے قلم سے اپنے مرشد کی ملاقات اور بیعت کا واقعہ یوں تحریر فرمایا ہے۔

مسلمانوں کا یہ دعاگو معین الدین حسن سنجری بمقام بغداد شریف خواجہ جنید کی مسجد میں اپنے مرشد پاک حضرت خواجہ عثمان ہارونی قدس سرہٗ کی دولت پابوسی سے مشرف ہوا۔ اس وقت روئے زمین کے مشائخ کبار حاضر اقدس تھے۔ جب اس درویش نے سر نیاز زمین پر رکھا، پیر و مرشد نے ارشاد فرمایا۔ "دو رکعت نماز ادا کر" میں نے ادا کی پھر فرمایا "قبلہ رو بیٹھ" میں بیٹھ گیا پھر حکم دیا "سورہ بقر پڑھ" میں نے پڑھی فرمان ہوا "اکیس بار درود شریف پڑھ" میں نے پڑھا۔ پھر آپ کھڑے ہوگئے اور میرا ہاتھ پکڑ کر آسمان کی طرف منہ کیا اور فرمایا "آ! تاکہ تجھے خدا تک پہنچا دوں" بعد ازاں مقراض (قینچی) لے کر دعاگو کے سر پر چلائی اور کلاہ چہار ترکی اس درویش کے سر پر رکھی اور گلیم خاص عطا فرمائی۔ پھر ارشاد فرمایا "بیٹھ جا" میں بیٹھ گیا۔ فرمایا "ہمارے خانوادہ میں ایک شبانہ روز کے مجاہدہ کا معمول ہے تو آج رات اور دن مشغول رہ" یہ درویش بموجب فرمان عالی مشغول رہا۔ دوسرے دن جب حاضر خدمت ہوا۔ ارشاد فرمایا "آسمان کی طرف دیکھ" میں نے دیکھا۔ دریافت فرمایا کہاں تک دیکھتا ہے عرض کیا "عرش اعظم تک"، پھر فرمایا "زمین کی طرف دیکھ" میں نے دیکھا۔ استفسار فرمایا۔ کہاں تک دیکھتا ہے۔ عرض کیا "تحت الثریٰ تک" فرمایا "پھر ہزار بار سورۂ اخلاص پڑھ" میں نے پڑھی۔ فرمایا "پھر آسمان کی طرف دیکھ" میں نے دیکھا۔ پوچھا "اب کہاں تک دیکھتا ہے" عرض کیا حجاب عظمت تک۔ فرمایا "آنکھیں بند کر" میں نے بند کرلیں۔ فرمایا "کھول" میں نے کھول دیں۔ پھر مجھے اپنی انگلی رکھا کر سوال کیا "کیا دیکھتا ہے" میں نے عرض کیا "اٹھارہ ہزار عالم"

بعد ازاں سامنے پڑی ہوئی ایک اینٹ کے اٹھانے کا حکم دیا میں نے اٹھایا تو اس کے نیچے زر کا ڈھیر پڑا ہوا تھا۔ فرمایا اسے لے جاکر فقرا میں تقسیم کر دے۔ میں نے حکم کی تعمیل کی۔ واپس لوٹ کر آیا تو ارشاد ہوا چند روز ہماری صحبت میں گذار۔" عرض کیا فرمان عالی سر اور آنکھوں پر (انیس الارواح)

حضرت خواجہ کے قلم واقعۂ بیعت کی یہ ایمان افروز سرگذشت غور سے پڑھیے۔ نقطۂ آغاز پہ جب عالم غیب کے انکشافات کا یہ حال ہے کہ تحت الثریٰ سے حجاب عظمت تک ساری کائنات نظر کے سامنے ہے تو اس کے بعد کے مقام کشف و عرفان کا کون اندازہ لگا سکتا ہے۔

حرمین طیبین کی حاضری

اپنی اسی کتاب انیس الارواح[1] شریف میں ایک مقام پر حضرت خواجہ تحریر فرماتے ہیں کہ حرم کعبہ کی پاک سرزمین پر ایک دن پیر و مرشد نے میرا ہاتھ پکڑا اور مجھے حق تعالےٰ کے سپرد کر دیا۔ اس کے بعد میزاب کے نیچے کھڑے ہو کر دعا گو کے حق میں نہایت درد انگیز مناجات کی۔ پردۂ غیب سے آواز آئی "ہم نے معین الدین کو قبول کرلیا"

فرماتے ہیں کہ حرم مکہ کی معنوی برکتوں اور سرمدی نعمتوں سے جب ہم بہرہ یاب ہو چکے تو پیر و مرشد نے اس شہر محترم کا رخ کیا جو کائنات گیتی کا مرکز عشق ہے۔ طیبہ کی پر نور شاداب آبادی پر جیسے ہی نظر پڑی جذبۂ شوق کا عالم زیر و زبر ہو گیا۔ اس محبوب سرزمین کی خاک کو آنکھوں سے لگایا بوسہ لیا اور روحانی نشاط سے شادکام ہوئے۔

سلطان کونین کے دربار میں حاضری کا سماں احاطۂ تحریر سے باہر ہے۔ جب مواجہ اقدس میں پہنچے تو پیر و مرشد نے فرمایا "دو جہاں کے مالک کو سلام کر" میں نے انتہائی ادب و احترام کے ساتھ سلام عرض کیا۔ روضۂ پاک سے آواز آئی "وعلیکم السلام یا قطب مشائخ بر و بحر" یہ جواب سنکر پیر و مرشد نے سجدۂ شکر ادا کیا اور مجھ سے مخاطب ہو کر فرمایا "اب تو درجۂ کمال کو پہنچ گیا"

خرقۂ خلافت

دوران سفر میں بیس سال تک اپنے پیر و مرشد کی خدمت کرنے کے بعد حضرت خواجہ ۵۲ سال کی عمر میں اپنے پیر و مرشد سے رخصت ہوئے۔ دم رخصت پیر و مرشد نے آپ کو خرقۂ خلافت سے سرفراز فرمایا۔ اور تبرکات محمدی جو حضرات خواجگان چشت میں سلسلہ بسلسلہ چلے آرہے تھے آپ کو عطا فرما کر اپنا جانشین و صاحب سجادہ بنایا۔

خود حضرت خواجہ نے ان واقعات کی تفصیل اپنے قلم سے یوں بیان فرمائی ہے:۔

"آقائے نعمت حضرت پیر و مرشد نے ارشاد فرمایا اے معین الدین! میں نے یہ سب کام تیری تکمیل کے لیے کیا ہے۔ تجھ کو اس پر عمل کرنا لازم ہے۔ فرزند خلف وہی ہے جو اپنے ہوش و گوش میں اپنے پیر کے ارشادات کو جگہ دے"

اس ارشاد کے بعد وہ عصائے مبارک جو مرشد کے سامنے رکھا تھا دعا گو کو عطا فرمایا بعد ازاں

[1] سلطان الہند خواجہ غریب نواز کے ملفوظات "انیس الارواح" مکتبہ نوریہ سے طلب فرمائیں

خرقہ شریف، نعلین چوبیں اور مصلیٰ بھی عنایت فرمایا۔ پھر ارشاد فرمایا یہ تبرکات ہمارے پیران طریقت قدس اللہ اسرارہم کی یادگار ہیں جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہم تک پہنچے ہیں اور ہم نے تجھے دیئے ہیں۔ ان کو اسی طرح اپنے پاس رکھنا جس طرح ہم نے رکھا۔ جس کو مرد پانا اس کو ہماری یہ یادگار دینا۔"

یہ ارشاد فرما کر مجھے اپنی آغوش مبارک میں لے لیا۔ سر و چشم کو بوسہ دیا اور فرمایا تجھ کو خدا کے سپرد کیا پھر عالم تحیر میں مشغول ہوگئے۔ دعاگو رخصت ہوا۔

ایامِ سفر کے عجائب و غرائب

۲۰ سال کی طویل مدت سفر میں علم و ارشاد کے بڑے بڑے مشاہیر اور نادرۂ روزگار اصحاب کمال سے آپ کی ملاقاتیں ہوئیں، دلوں کی تسخیر، روحوں کا تزکیہ اور جہان آب و گل میں تصرفات کے ایسے ایسے حیرت انگیز واقعات آپ سے ظہور میں آئے جن پر آج تک عقل و دانش کو سکتہ ہے۔

عظمت خداداد کی ایک باوثوق شہادت کے طور پر چند واقعات ذیل میں ملاحظہ فرمائیں:

پہلا واقعہ: — فوائد السالکین میں حضرت قطب الاقطاب خواجہ بختیار کاکی رضی اللہ تعالیٰ عنہ تحریر فرماتے ہیں کہ جب میں اپنے پیر و مرشد حضرت خواجہ کے ساتھ سفر حج میں تھا تو ایک دن صبح کی نماز کے بعد روانہ ہو کر ہم لوگ ایک شہر میں پہونچے۔ یہاں ایک بزرگ سے ملاقات ہوئی جو ایک غار میں مثل سوکھی لکڑی کے اپنی آنکھیں وا کئے ہوئے عالم حیرت میں کھڑے تھے۔ ایک ماہ تک ہم ان کے پاس رہے۔ اس عرصہ میں وہ صرف ایک بار عالم ہوش کی طرف واپس لوٹے۔ ہم نے اٹھ کر انہیں سلام کیا انھوں نے جواب مرحمت فرمایا۔ اور کہا کہ میں شیخ محمد اسلم طوسی کا فرزند ہوں۔ تیس سال سے عالم تحیر میں غرق ہوں۔ نہ مجھے دن کی خبر ہے اور نہ رات کی۔ خداتعالیٰ صرف تمہاری وجہ سے آج مجھے عالم ہوش میں لایا ہے۔ اتنا کہہ کر وہ پھر عالم تحیر میں مشغول ہو گئے۔

دوسرا واقعہ: — حضرت خواجہ ۵۸۳ھ میں مکہ معظمہ پہونچے۔ ایک دن حرم شریف میں آپ مشغول عبادت تھے کہ پردۂ غیب سے آواز آئی۔

"اے معین الدین! ہم تجھ سے خوشنود ہوئے اور تجھے بخش دیا۔ اپنے تقرب کی بساط پر ہم نے تجھے نہایت اعزاز کی جگہ مرحمت فرمائی۔ جو بھی تیری آرزو ہو سوال کر تاکہ میں اپنی عطاؤں سے تجھے سرفراز کر دوں۔"

آپ نے عرض کیا۔ خداوندا! ایک بندۂ حقیر کے لیے اس سے بڑی اور کیا عزت ہو سکتی ہے

کہ تونے اپنے حضور میں مجھے قبول فرمالیا۔ اس کے بعد اگر کوئی آرزو ہے تو صرف یہ کہ تو اپنے فضل سے میرے سلسلے کے مریدین کو بخشدے۔ ارشاد ہوا۔ معین الدین! تو میرا بندۂ خاص ہے تیری آرزو کو مبارک ہو کہ قیامت تک جو بھی تیرے سلسلے میں منسلک ہوں گے میں انھیں بخش دوں گا۔

— **تیسرا واقعہ**:۔ فوائد السالکین میں حضرت خواجہ قطب الاقطاب تحریر فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ شیخ اوحد الدین، شیخ شہاب الدین سہروردی اور میرے پیر و مرشد خراسان کے ایک شہر میں بیٹھے تھے کہ ناگہاں سلطان شمس الدین التمش سامنے سے گذرا۔ وہ اپنے ہاتھ میں ایک پیالہ لئے ہوئے تھا یہ اس وقت کی بات ہے کہ جب اس کی عمر بارہ سال کی تھی۔

جیسے ہی حضرت خواجہ کی نظر اس پر پڑی، بیساختہ ارشاد فرمایا "جب تک یہ لڑکا دہلی کا بادشاہ نہ ہوئے گا خدا اسے دنیا سے نہ اٹھائے گا۔

حضرت خواجہ کی زبان غیب ترجمان سے نکلا ہوا یہ جملہ تیر قضا کی طرح نشانے پر بیٹھ گیا۔ تاریخ ہند شاہد ہے کہ سرکار خواجہ کے ارشاد کے مطابق ۶۰۷ھ میں شمس الدین التمش نام کا ایک گمنام شخص طوفان کی طرح اٹھا اور دیکھتے دیکھتے سارے ہندوستان پر چھا گیا۔ اور حضرت خواجہ کی ایک کھلی ہوئی کرامت بن کر بالآخر ایک دن دہلی کے تخت پر اس نے قبضہ کر لیا۔

— **چوتھا واقعہ**:۔ کہتے ہیں کہ سبزہ زار (افغانستان) کا حاکم یادگار محمد ایک بڑا ظالم اور بد مزاج شخص تھا۔ حوالی شہر میں اس کا ایک نہایت خوبصورت باغ تھا۔ اس باغ میں ایک صاف و شفاف حوض تھا۔ دوران سفر ایک دن حضرت خواجہ اس باغ میں تشریف لے گئے۔ حوض میں غسل کر کے نماز ادا کی اور اس کے کنارے بیٹھ کر تلاوت قرآن میں مشغول ہوگئے۔ اسی اثنا میں یادگار محمد کے آنے کی خبر ملی۔ تھوڑی دیر کے بعد شاہانہ کروفر کے ساتھ اس کی سواری باغ میں داخل ہوئی۔ حوض کے قریب ایک فقیر کو دیکھ کر وہ آگ بگولا ہوگیا۔ غصہ سے اس کا چہرہ تمتما اٹھا۔ باغ کے پاسبانوں سے ترشرو ہو کر دریافت کیا۔ اس فقیر بے مایہ کو شاہی باغ میں بیٹھنے کی اجازت کس نے دی؟ حاکم وقت کا قہر و جلال دیکھ کر ملازمین شاہی کانپ اٹھے۔ قبل اس کے کہ عذر خواہی کے لئے وہ اپنی زبان کھولتے۔ ہیبت و دہشت کے اس سناٹے میں اچانک حضرت خواجہ کی نگاہ اٹھی۔ نظر کا چار ہونا تھا کہ ہیبت و جلال سے یادگار محمد کانپنے لگا اور بے ہوش ہو کر گر پڑا۔ آپ نے پانی منگوا کر اس کے منہ پر چھینٹے دیئے۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ ہوش میں آگیا اور نہایت عاجزی کے ساتھ اپنی تقصیر کی معافی چاہی اور اپنے تمام خدم و حشم کے ساتھ وہ حضرت خواجہ کے حلقہ غلامی میں داخل ہوگیا

پانچواں واقعہ: بیان کرتے ہیں کہ ایک سفر میں حضرت خواجہ مناسک حج ادا کرنے کے بعد مدینہ طیبہ حاضر ہوئے اور عرصہ تک مسجد قبا میں مشغول عبادت رہے۔ ان ایام میں ایک دن آپ کو دربار رسالت سے بشارت ہوئی۔ "اے معین الدین! تو میرے دین کا معین ہے۔ میں نے تجھے ہندوستان کی ولایت عطا کی۔ وہاں کفر کی ظلمت پھیلی ہوئی ہے۔ تو اجمیر جا! تیرے وجود کی برکت سے باطل کا اندھیرا چھٹ جائے گا۔ اور چہار دانگ عالم میں اسلام کی رونق پھیل جائے گی۔"

آپ اس بشارت سے بیحد مسرور ہوئے۔ مگر حیران تھے کہ اجمیر کہاں واقع ہے؟ اسی فکر میں تھے کہ آنکھ لگ گئی۔ اور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو خواب میں اپنی زیارت سے مشرف فرما کر پلک جھپکتے اجمیر کا تمام شہر اور قلعہ و کوہستان آپ کو دکھلا دیا۔ اخیر میں ایک بہشتی انار دے کر آپ کو رخصت فرمایا۔

چھٹا واقعہ: ۵۵۱ھ میں حضرت خواجہ پہلی بار بغداد مقدس سے ہندوستان کے سفر پر روانہ ہوئے۔

دوران سفر کے حالات بیان کرتے ہوئے حضرت خواجہ ارشاد فرماتے ہیں کہ بخارا میں ایک شخص سے ملاقات ہوئی۔ یہ ازحد مشغول تھا لیکن نابینا تھا۔ فرماتے ہیں کہ میں نے اس سے دریافت کیا کہ تم کب سے نابینا ہوئے۔ جواب دیا۔ منزل سلوک کی راہ طے کر رہا تھا کہ میری نگاہ ایک غیر محرم پر پڑ گئی۔ آواز آئی۔ "دعویٰ میری محبت کا کرتا ہے اور نگاہ غیر سے لڑاتا ہے۔"

یہ آواز سن کر غیرت حیا سے پانی پانی ہوگیا۔ دعا کی "الٰہی! وہ آنکھ اندھی ہو جائے جو دوست کے سوا غیر کو دیکھے۔" ابھی دعا کے یہ الفاظ پورے بھی نہ ہونے پائے تھے کہ میری آنکھوں کی بصارت زائل ہوگئی۔

حضرت خواجہ بزرگ فرماتے ہیں کہ جب وہ سمرقند پہنچے تو وہاں ابواللیث سمرقندی کے مکان کے قریب ایک مسجد تھی اس کے محراب کے قبلہ رُخ ہونے کے متعلق کچھ لوگوں کو شبہ تھا۔ حضرت خواجہ نے توجہ ڈالی تو نگاہوں کے سارے حجابات اٹھ گئے اور سامنے خانۂ کعبہ نظر آنے لگا۔

براہ افغانستان ملتان ہوتے ہوئے جب حضرت خواجہ لاہور پہنچے تو کئی مہینے تک حضرت سیدنا شیخ علی ہجویری داتا گنج بخش رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مزار اقدس پر معتکف رہے۔

آپ کا حجرۂ اعتکاف اب تک اندرون احاطۂ مزار موجود ہے۔ رخصت ہوتے وقت زبان سے یہ شعر ادا فرمایا جو عالمگیر شہرت کا حامل ہے اور آج تک درگاہ شریف کی لوح

پیشانی پر کندہ ہے وہ شعر یہ ہے۔

گنج بخش فیض عالم مظہر نور خدا
ناقصاں را پیر کامل کاملاں را راہنما

حضرتِ خواجہ کا مسلک

آج مزارات اولیاء سے روحانی استفادہ کے متعلق جو لوگ زبان طعن دراز کرتے ہیں وہ ذرا ہوش کے ناخن لیں حضرت خواجہ کے اس عمل سے یہ بات اچھی طرح صاف ہو جاتی ہے کہ مزارات اولیاء سے روحانی استفادہ اور ان کی حیات معنوی اور تصرفات روحانی کا اعتقاد جملہ اہل حق اور تمام خاصان خدا کا مسلک و مشرب اور ان کا مذہبی شعار رہا ہے۔ جو لوگ ان امور کا انکار کرتے ہیں وہ گروہ اصفیاء اور مشاہیر امت کی عام رہگزر کے خلاف ایک نئی اور باطل راہ کھولتے ہیں۔

حضرتِ خواجہ کا اجمیر میں ورودِ مسعود

روایت کرتے ہیں کہ سرور کائنات کے فرمان عالی کے بموجب حضرت خواجہ لاہور سے براہ دہلی اجمیر پہنچے۔ آپ کے ہمراہ چالیس درویشوں کی جماعت تھی جن کی ضرب اِلَّا اللہ سے پہاڑوں کے کلیجے دہل جاتے تھے۔

اجمیر پہنچ کر جب آپ نے شہر سے باہر ایک مقام پر سایہ دار درختوں کے نیچے قیام کرنا چاہا تو راجہ پرتھوی راج کے ساربانوں نے آکر منع کیا اور کہا کہ یہاں راجہ کے اُونٹ بیٹھتے ہیں۔ آپ وہاں سے یہ فرماتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے کہ "اچھا راجہ کے اُونٹ بیٹھتے ہیں تو وہی بیٹھیں" اور آناساگر کے قریب جاکر قیام فرمایا۔

کہتے ہیں کہ شام کے وقت جب اُونٹ اپنی چراگاہوں سے واپس آئے اور اپنی جگہ پر آکر بیٹھے تو ایسے بیٹھ گئے کہ اُٹھانے سے بھی نہ اُٹھ سکے۔ یہ دیکھ کر ساربانوں کے افسر نے راجہ کو سارے واقعہ کی اطلاع دی۔ راجہ نے کہا کہ سوا اس کے اب کوئی چارۂ کار نہیں ہے کہ تم لوگ جاکر اس درویش سے معافی مانگو۔

چنانچہ ساربانوں نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر معذرت کی۔ آپ نے فرمایا "اچھا جاؤ اونٹ کھڑے ہو گئے"۔ آکر دیکھا تو واقعی اُونٹ کھڑے ہو گئے۔

واقعات کے راوی بیان کرتے ہیں کہ آناساگر کے کنارے بہت سے بت خانے تھے۔ جہاں صبح و شام پجاریوں کا تانتا لگا رہتا تھا۔ انہی میں ایک بڑا بت کدہ راجہ کا بھی تھا۔ اس

میں پرتھوی راج اور اس کی سلطنت کے عمائدین پوجا کے لیئے آیا کرتے تھے۔ اس شاہی بت خانہ کا انتظام و اہتمام سادھو رام (شادی دیو) کے سپرد تھا۔ یہ اپنے دھرم کی شاستروں کا بہت بڑا فاضل اور تمام پجاریوں کا سردار تھا۔ یہاں آپ کا قیام اہل ہنود پر بہت شاق گذرا۔ انھوں نے ہر چند کوشش کی کہ آپ چلے جائیں مگر عظمت خداداد کے آگے کسی کی نہ چلی۔ نوبت یہاں تک پہنچی کہ روحانی مقابلے کے لیے سلطنت کے بڑے بڑے جادوگر اور جوگی بلا لیئے گئے لیکن حضرت خواجہ کی ایک تیغ ابرو کی جنبش سے سب تڑپ تڑپ کر گھائل ہو گئے۔

شادی دیو اور اجے پال جوگی جیسے سرغنۂ کفر کا قبول اسلام حضرت خواجہ کی قاہرانہ قوت اور روحانی سطوت کی ایک عظیم الشان فتح تھی جس نے ہندوستان کی زمین ہلادی۔

حضرت خواجہ کے تصرفات کی دوسری زندہ کرامت یہ ہے کہ "سعدیؒ" اور "عبداللہ بیابانیؒ" کے نام سے خواجہ کے یہ دونوں حلقہ بگوش آج تک نواح اجمیر میں عام نگاہوں سے اوجھل ہوکر زندہ و پائندہ ہیں۔ مشہور ہے کہ ہر جمعہ کی شب میں روضۂ خواجہ پر حاضری دیتے ہیں۔

فتح اجمیر

جب شادی دیو اور اجے پال جوگی مسلمان ہو چکے تو انہوں نے خواجہ کے حضور میں یہ التجا پیش کی کہ اب حضور چل کر وسط شہر میں قیام فرمائیں تاکہ مخلوق آپ کے قدموں کی برکت سے فیضیاب ہو۔ آپ نے ان کا معروضۂ شوق قبول فرمالیا اور اپنے خادم خاص محمد یادگار کو جگہ کے انتخاب کے لیے شہر میں بھیجا۔ انھوں نے بہ تعیین رشاد وہ مقام پسند کیا جہاں اس وقت آپ کا روضۂ پاک ہے۔ شادی دیو کی یہ ایک افتادہ زمین تھی۔ اس قطعۂ زمین پر جماعت خانہ، مسجد اور مطبخ کی تعمیر ہوئی۔ کہتے ہیں کہ جس جگہ آج مزار مقدس ہے وہیں مطبخ تھا۔

یہاں قیام فرمانے کے بعد آپ نے چند اشخاص کے ذریعہ پرتھوی راج کو دعوت اسلام دی۔ اور فرمایا اگر یہ ایمان نہ لایا تو میں لشکر اسلام کے ہاتھوں اسے زندہ گرفتار کرادوں گا۔ پرتھوی راج نے اسلام قبول کرنے سے نہ صرف انکار کر دیا بلکہ حضرت خواجہ کے خلاف اس کی دشمنی کی آگ اور بھڑک اٹھی۔

چنانچہ ایک دن اس نے آپ کو کہلا بھیجا کہ آپ ہماری سرحد سے باہر نکل جائیں۔ آپ نے جواب میں یہ اطلاع بھجوائی کہ "مت گھبراؤ! چند دنوں میں شہاب الدین غوری آرہا ہے اس وقت تقدیر فیصلہ کر دے گی کہ اجمیر کی سرحد سے کون نکلتا ہے!"

ہندوستان کیطرف شہاب الدّین غوری کی روانگی

اس واقعہ کے چند ہی دنوں کے بعد سلطان شہاب الدین غوری نے خراساں میں ایک خواب دیکھا کہ وہ حضرت خواجہ کی خدمت میں کھڑا ہے اور آپ اس سے فرمارہے ہیں کہ خدائے قدیر کی طرف سے ہندوستان کی بادشاہت کا سہرا تیرے سر کے لیے مقدر ہوچکا ہے کارکنان قضا و قدر فتح و نصرت کی خلعت آسمانی لیے ہوئے تیرے گھوڑوں کی ٹاپ کا انتظار کر رہے ہیں۔ بغیر کسی مہلت انتظار کے اٹھ کھڑا ہو اور ہندوستان کی طرف روانہ ہوجا۔ اور پرتھوی راج کو زندہ گرفتار کرکے اسے کیفر کردار تک پہنچا۔"

خواب سے بیدار ہوا تو شہاب الدین کے سینے میں فاتحانہ عزم و یقین کا ایک تلاطم برپا تھا چند ہی دنوں میں ایک لشکر جرار سے کردہ اسلام کا پرچم لہراتا ہوا ہندوستان کی طرف چل پڑا۔ ابھی وہ راستے ہی میں تھا کہ تھانیسر کے قریب تراوڑی کے میدان میں پرتھوی راج کے ساتھ اس کا ایک نہایت خونریز اور فیصلہ کن معرکہ ہوا۔

کہتے ہیں کہ اس جنگ میں پرتھوی راج کے ساتھ ڈیڑھ سو راجگان ہند کی تین لاکھ فوجیں شامل ہوگئی تھیں جب کہ شہاب الدین غوری کے ہمراہ کل ایک لاکھ بیس ہزار فوج تھی۔ دن بھر گھمسان کی جنگ ہوئی اور شام ہوتے ہوتے شہاب الدین غوری نے یہ عظیم معرکہ سر کرلیا۔ پرتھوی راج ایک دریا کے کنارے بھاگتے ہوئے گرفتار کرلیا گیا۔ اس طرح حضرت خواجہ کی روحانی سطوت کا دنیا کو اعتراف کرنا پڑا۔ اور "سلطان الہند" کا الہامی خطاب ہمیشہ کے لیے خلق خدا کی زبان پر جاری ہوگیا۔

وصال شریف

منقول ہے کہ شب وصال چند اولیاء اللہ نے حبیب کبریا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ آپ کسی کے انتظار میں کھڑے ہیں۔ فرمایا رحمت الٰہی کے ہجوم میں آج معین الدین کی روح آنے والی ہے ہم اس کے استقبال کے لیے آئے ہیں۔

۶ رجب المرجب ۶۲۷ھ ہجری مطابق ۲۱ مئی ۱۲۲۹ء بروز دوشنبہ بعد نماز عشاء آپ نے حجرہ شریف کا دروازہ بند کرلیا اور خدام کو اندر داخل ہونے کی ممانعت کردی۔ اس لیے سارے خدام حجرے کے باہر ہی کھڑے رہے۔ رات بھر کانوں میں طرح طرح کی آوازیں آتی رہیں۔ پچھلے پہر آواز موقوف ہوگئی۔ جب نماز صبح کا وقت ہوا اور حجرہ شریف کا دروازہ حسب معمول نہ کھلا تو خدام و معتقدین کو سخت تشویش ہوئی۔ دروازہ توڑ کر دیکھا گیا تو آپ واصل بحق ہو چکے تھے۔ جبین مبارک پر

قلم قدرت سے "ھذا حبیب اللہ مات فی حب اللہ" لکھا ہوا تھا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون ۔

چمنے کہ تا قیامت گل او بہار بادا
صنمے کہ بر جمالش دو جہاں نثار بادا

پسماندگان منقول ہے کہ حضرت خواجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بہ ترتیب دو نکاح فرمائے تھے ۔ محل اولیٰ سے دو صاحبزادے حضرت خواجہ فخر الدین ابوالخیر۔ حضرت خواجہ خواجہ حسام الدین ابو صالح اور ایک صاحبزادی تاج المستورات بی بی حافظہ جمال ہیں اور محل ثانیہ سے صرف ایک صاحبزادے حضرت خواجہ ضیاء الدین ابو سعید ہیں ۔

سرکار خواجہ کی تمام اولادیں علم وعرفان اور ولایت وتقرب کے اعلیٰ مدارج پر فائز ہوئیں۔ آج بھی ان کے مزارات سے فیوض وبرکات کے چشمے جاری ہیں ۔

خواجۂ خواجگان چشت اہل بہشت حضور خواجہ غریب نواز کا سلسلۂ طریقت آپ کے خلیفۂ اجل اور سجادہ نشین حضرت قطب الاقطاب سرکار خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ذریعہ ساری دنیا میں پھیل گیا ۔

حضرت خواجہ قطب چودہ سال کی عمر شریف میں بمقام اُوش سرکار خواجہ غریب نواز کے دست حق پرست پر بیعت ہوئے تھے ۔

دِلوں کا مرکزِ عشق کشور ہند میں حضرت خواجہ کا روضۂ پرنور دلوں کا مرکز عشق ہے ۔ جملہ اقطار ارض سے شوق کے قافلوں کا وہ ہر دور میں کعبۂ مقصود رہا ہے آج بھی ہندی مسلمانوں کا وہی قبلۂ آرزو ہے ۔ بلا تفریق مذہب وملت حضرت خواجہ کے سنگ آستاں پر سب کی گردن عقیدت خم رہی ہے ۔ آج بھی خم ہے اور قیامت تک خم رہے گی ۔ غریب وامیر، نیک وبد، عالم وجاہل، سالک ومجذوب، حاکم ومحکوم، شاہ وگدا، سرمست وہوشیار یکساں طور پر سب کے لیے خواجہ کا آستانہ دل کی تسکین روح کی کشش اور پیشانیوں کی تسخیر کا گہوارہ رہا ہے ۔

مسلم بادشاہوں سے لے کر برطانوی فرماں رواؤں تک سب نے حضرت خواجہ کی عظمت خداداد کے آگے عقیدتوں کا خراج پیش کرکے ان کی معنوی حکومت کے ساتھ اپنی وفاداری کا ثبوت دیا ۔

صفحات میں گنجائش نہیں ہے ورنہ کشور ہند کے ایک ایک تاجدار وفرماں روا کی پیشانی پر

حضرت خواجہ کے سنگ آستاں کا غبار دکھا کر برصغیر ہند کے حقیقی اقتدار کی نشاندہی کرتا بصرف مثال کے طور پر سلطنت مغلیہ کے ایک عظیم فرماں روا شاہجہاں بادشاہ اور اس کی بیٹی شہزادی جہاں آرا بیگم کی رقت انگیز حاضری کا ایک واقعہ نقل کرتا ہوں جسے خود اپنے قلم سے شہزادی نے کتاب "مونس الارواح" میں تحریر کیا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں وہ لکھتی ہیں۔

شہزادی جہاں آرا بیگم دربار خواجہ میں

"میں بتاریخ ۸ شعبان المعظم کو والد بزرگوار کے ہمراہ آگرہ سے اجمیر کے لیے روانہ ہوئی اور ۱۷ رمضان المبارک ۱۰۵۲ھ کو وہاں پہنچ کر زمیں بوس ہوئی۔ اس تمام عرصے میں میرا معمول یہ رہا کہ ہر منزل پر دو رکعت نماز نفل ادا کرنے کے بعد سورۂ یٰسین اور سورۂ فاتحہ نہایت اخلاص و عقیدت کے ساتھ پڑھ کر اس کا ثواب حضرت خواجہ کی روح اطہر کو نذر کرتی رہی۔

کچھ دن تک آنا ساگر کی عمارت میں قیام رہا۔ اس دوران میں بپاس ادب کبھی پلنگ پر نہیں سوئی اور روضہ اقدس کی طرف کبھی پاؤں اور پشت کیا۔ دن بھر درختوں کے سائے میں گزار دیتی۔ آنحضرت کی برکت اور اس سرزمین کے فیضان سے قلب و روح میں ایک عجیب و غریب سرور اور ذوق و شوق کی کیفیت پیدا ہو گئی ہو۔ اس عظیم الشان نعمت کے شکرانے میں ایک شب میں نے میلاد کی محفل آراستہ کی۔ اور خوب چراغاں کیا۔ روضۂ سرکار کی خدمت و زینت کے لیے جو کچھ ملا اور ملے گا اس میں کمی نہیں کروں گی۔

خدائے برتر کا ہزار ہزار شکر کہ جمعرات کے دن بتاریخ ۲۰ رمضان المبارک حضرت پیر دستگیر خواجۂ کونین کے مزار اقدس کی زیارت نصیب ہوئی۔ ایک پہر دن رہ گیا تھا کہ حاضر بارگاہ سعادت پناہ ہوئی۔ گنبد شریف میں حاضر ہو کر دیوانہ وار سات بار مزار کے گرد پھیرے لگائے۔ بعد ازاں اپنی پلکوں سے جاروب کشی کی سعادت حاصل کی۔ مرقد انور کی خاک و خوشبو کو سرمۂ چشم بنایا اس سے دل پر جو ذوق و شوق کی کیفیت طاری ہوئی وہ تحریر میں نہیں آسکتی۔ غایت شوق کے عالم میں میں سراسیمہ ہو گئی۔ کچھ سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ خود کو کیا کروں اور کیا کہوں۔

القصہ میں نے قبر شریف پر عطر اپنے ہاتھوں سے ملا اور چادر گل جو میں

اپنے سر پر رکھ کر لائی تھی، مزار شریف پر پیش کیا۔ بعدازاں سنگ مرمر کی مسجد میں آکر نماز ادا
کی۔ یہ مسجد دو لاکھ چالیس ہزار روپے صرف کرکے والد بزرگوار (شاہجہاں) نے تعمیر کرائی ہے
پھر گنبد مبارک میں بیٹھ کر سورۂ یٰسین و سورۂ فاتحہ کی تلاوت کرکے اس کا ثواب
روح پرفتوح کو پیش کیا۔ مغرب تک وہاں حاضری رہی اور آنحضرت کے یہاں شمع
روشن کرکے جھالرہ شریف کے پانی سے روزہ افطار کیا۔"

شہزادی جہاں آرا بیگم کی آپ بیتی اور دل کے تاثرات کا یہ حصہ انتہائی رقت انگیز ہے اسے پڑھ کر ایک عجیب سرور حاصل ہوتا ہے۔ امیر کشور ہند کی لاڈلی بیٹی کی ذرا خوش عقیدگی ملاحظہ فرمایئے لکھتی ہے۔

"عجیب شام تھی جو صبح سے بہتر تھی۔ کتنی فرخندہ رات تھی جس پر کئی بار دن کا اجالا نثار کیا۔ حضرت خواجہ کے جوار میں سپیدۂ سحر نہیں طلوع ہوتا تھا۔ نامرادیوں کے اندھیرے میں نیر روز بختی کی کرن پھوٹ پڑی تھی۔

اگرچہ اس متبرک مقام اور اس گہوارۂ فیض سے گھر واپس آنے کو جی نہیں چاہتا تھا مگر مجبور تھی۔ اگر خود مختار ہوتی تو ہمیشہ اسی گوشۂ جنت میں کہیں اپنا آشیانہ بنا لیتی۔ ناچار روتی ہوئی اس درگاہ رحمت سے رخصت ہو کر گھر آئی تمام رات بیقراری میں کٹی۔ صبح کو جمعہ کے دن والد بزرگوار کے ہمراہ آگرہ کے لیے روانہ ہوگئی۔"

دارجلنگ کا ایک تاریخی واقعہ

(۱)۔ دارجلنگ میں سونے چاندی اور جواہرات کے تاجر کے لیے عبدالرحمٰن کا گھرانہ بہت مشہور و معروف گھرانہ تھا۔ شہر کے صدر بازار میں سب سے بڑی دکان اسی فرم کی تھی۔ بیرونی ممالک سے درآمد و برآمد کی کلیدی تجارت بھی ان ہی لوگوں کے ہاتھ میں تھی۔

محمد امین، عبدالرحمٰن جوہری کا ایک اکلوتا بیٹا تھا، دولت و ریاست کی چھاؤں میں اس نے آنکھ کھولی تھی اس لئے انتہائی ناز و نعمت کے ساتھ اس کی پرورش ہوئی۔ حد سے زیادہ لاڈ پیار نے اس کی زندگی کو بالکل غلط رُخ پر ڈال دیا۔ ہاتھ میں پیسوں کی کمی نہیں تھی۔ جلد ہی اس کے دوستوں کا ایک وسیع حلقہ تیار ہوگیا۔ بری صحبتوں کا اثر نہایت تیزی کے ساتھ اس کی زندگی پر پڑنا شروع ہوگیا یہاں تک کہ شہر کے اوباشوں، آواروں اور بدقماش لوگوں کی بھیڑ ہر وقت اس کے گرد جمع رہنے لگی۔ بہت ساری بُری عادتوں کے علاوہ جوئے کی تباہ کن عادت اس کے گلے کا پھندا بن گئی۔

گھر کی دولت اسی نشانے پر بھینٹ چڑھتی رہی۔ افلاس کے سائے اس کی زندگی سے قریب ہوتے رہے، یہاں تک کہ اس مہلک آزار نے اسے تباہی کے دہانے پر پہنچا دیا۔ بزرگوں کی فہمائش پر سینکڑوں بار اس نے توبہ کی لیکن غارت گر ساتھیوں کی بزم میں پہنچ کر ہر بار اس کی توبہ ٹوٹ گئی۔

بیٹے کی غلط روی اور ہلاکت خیز روش سے باپ کے تمام ارمانوں کا خون ہو گیا، کاروبار کی ساری اُمنگیں سرد پڑ گئیں۔ گھر کا مستقبل تاریک سے تاریک تر نظر آنے لگا۔ باپ کا بجھا ہوا دل اس صدمۂ جانکاہ کی تاب نہ لا سکا۔ جگر کا خون سوکھنے لگا۔ رگوں کی آگ سرد ہونے لگی۔ اور دیکھتے ہی دیکھتے آنکھوں کی نیند، چہرے کی شادابی اور جسم کی توانائی زائل ہو گئی۔ اب باپ فرم کی عالی شان مسند پر نہیں بستر علالت پر فریش تھا، علاج پر لاکھوں روپے پانی کی طرح بہا دیئے گئے۔ لیکن کھوئی ہوئی صحت واپس نہیں آسکی۔ جسم کا روگ ہو تو علاج بھی ہو سکتا تھا لیکن دل بیمار کا کیا علاج ہے؟ سارے معالجوں نے جواب دے دیا۔

(۲)— رات ڈھل چکی تھی، سارے شہر پر ایک وحشت ناک خموشی کا سناٹا طاری تھا۔ باپ کی حالت آج نہایت غیر تھی۔ منٹ منٹ پر غشی طاری ہو رہی تھی۔ سارے گھر کے لوگ سر بالیں جمع ہو گئے تھے۔ امین بھی سر جھکائے ایک کنارے بیٹھا تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد باپ کو ذرا سا افاقہ ہوا تو آنکھ کھول کر اس نے اشارے سے امین کو اپنے قریب بلایا اور آبدیدہ ہو کر بشکل تمام یہ چند الفاظ اس کے منہ سے نکلے۔

" بیٹا! اب میری زندگی کا چراغ بجھ رہا ہے۔ چند ہی لمحے کے بعد میں ہمیشہ کے لئے تم سے جدا ہو جاؤں گا۔ ہزار ارمانوں کے ساتھ خواجۂ ہند غریب نواز کے دربار سے میں نے تمہاری بھیک مانگی تھی۔ یہ حسرت قبر میں بھی تڑپاتی رہے گی کہ ایک بار بھی تمہیں اجمیر کی سرکار میں حاضر نہ کر سکا۔ زندگی مہلت دے تو خواجۂ ہند کی چوکھٹ پر سلام ضرور کر آنا بیٹا! میری شرم عقیدت کا فرض ادا ہو جائے گا۔

تمہاری خانہ خراب زندگی کا غم لے کر اب میں ہمیشہ کے لئے تم سے رخصت ہو رہا ہوں"

لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کہتے ہی ایک ہچکی آئی اور گیتی کا ایک غم نصیب مسافر ابدی نیند سو گیا۔ سارے گھر میں صفِ ماتم بچھ گئی۔ رات بھر کہرام بپا رہا۔ بیوہ ماں کی درد انگیز آہ و زاری سے سننے والوں کے کلیجے پھٹ گئے۔

امین کی حالت بھی قابل رحم تھی۔ روتے روتے ہچکیاں بندھ گئیں۔ آنکھوں تلے اندھیرا چھا گیا۔

اب اُسے محسوس ہو رہا تھا کہ باپ کو کھو کر اس نے اپنی زندگی کا مستقبل کتنا بھیانک بنا لیا ہے۔ صبح ہوتے ہوتے شہر کے معززین اور تمام احباب و اقارب جمع ہو گئے۔ عبدالرحمٰن جوہری کی وفات پر سارا شہر سوگوار تھا۔ تجہیز و تکفین کے بعد جنازہ جس وقت گھر سے نکالا گیا ایک قیامت برپا تھی۔ شدّتِ کرب سے گھر کا ہر شخص بے حال تھا۔ بیوہ ماں تو منٹ منٹ پر بے ہوش ہو رہی تھی۔ امین پاگلوں کی طرح جنازے کے پیچھے پیچھے چل رہا تھا۔

شہر کے سب سے وسیع میدان میں نمازِ جنازہ پڑھی گئی۔ سارا مجمع قبرستان تک ساتھ رہا لحد میں جنازہ اُتارتے ہی امین چیخ پڑا۔

"مجھے بھی باپ کے ساتھ قبر میں لٹا دو۔ میں اپنی زندگی سے بیزار ہو چکا ہوں، جس کے غم میں گھل کر باپ نے جان دے دی ہے۔"

لوگوں نے بڑی مشکل سے ہاتھ پکڑ کر اسے الگ کیا۔ اور ایک کنارے لے جا کر بٹھا دیا۔ تدفین کے بعد قبرستان سے سب لوگ واپس لوٹ گئے۔ امین کو بھی گھر تک پکڑ کر لایا گیا۔ اعزّہ و اقارب نے گھر والوں کو تسلّی دی۔ صبر کی تلقین کی۔ تیسرے دن جب کہ فاتحہ سوم کے لئے لوگ جمع ہوئے تو خاندان کے بڑے بوڑھوں نے امین کو بٹھا کر سمجھایا:

"بیٹا! جو کچھ ہونا تھا ہو گیا۔ خدا کی مشیّت میں کسی کا چارہ نہیں اب اس کشتی کے تم ہی ناخدا ہو، اپنے باپ کی روح کو خوش کرنا چاہتے ہو تو اپنے آپ کو بالکل بدل دو، غلط صحبتوں سے توبہ کر لو اور ایک شریف بیٹے کی طرح اپنے باپ کے کاروبار کو سنبھالو۔ اب اپنی بیوہ ماں کے لئے اس دکھ بھری دُنیا میں تسکین کا سہارا تم ہی ہو۔"

امین سر جھکائے ہوئے اپنے بزرگوں کی باتیں سُن رہا تھا۔ اور آنکھوں سے آنسوؤں کی بارش ہو رہی تھی۔

(۳)۔ آج پہلی مرتبہ امین جوہری اپنے باپ کے تنہا وارث اور کاروبار کے مالک کی حیثیت سے فرم کی مسند پر بیٹھا تھا۔ اپنے سارے دوستوں اور ساتھیوں سے رشتہ توڑ کر اب اس نے پوری توجہ کاروبار پر لگا دی تھی۔ دیکھتے ہی دیکھتے چند ہی دنوں میں امین جوہری کی نیک نامی شہرت سارے علاقے میں پھیل گئی۔ بیٹے کی سعادتمندی سے ماں کا اُترا ہوا چہرہ بھی کھل اُٹھا۔ اپنی ذہانت، نیک روی اور شرافت و سنجیدگی کی وجہ سے امین سارے قبیلے کی آنکھ کا تارا بن گیا۔ کاروبار کا دائرہ پہلے سے بھی زیادہ وسیع ہو گیا تھا اور خاندان کا وقار اپنے آخری نقطۂ عروج پر پہنچ گیا تھا۔

خوشحالی کے یہی دن تھے، بہار کا یہی موسم تھا، یہی مسکراتی ہوئی شام و سحر تھی اور یہی خورشیدِ اقبال کی مین دوپہر تھی کہ اچانک گردشِ ایام نے کروٹ بدلی سورج گہنانے لگا۔ بادِ خزاں دبے پاؤں صحنِ چمن کی طرف بڑھنے لگی۔ شام و سحر کے روشن چہرے ماند پڑ گئے۔ پھر خاندان کا وقار مجروح ہوگیا۔ پھر گھر کی پھیلی ہوئی رونقیں سمٹنے لگیں۔ قیامت آگئی کہ پھر امین جوہری اپنے پرانے ساتھیوں کی محفل میں پہنچ گیا۔

پھر جوئے کی ریس شروع ہوگئی۔ پھر گھر کا سرمایہ داؤں پر لگنے لگا اور بینک کا سارا اندوختہ جوئے کی بھینٹ چڑھ گیا۔ ہوس کی آگ بجھانے کے لئے قرض کی طرف ہاتھ بڑھائے۔ ساہوکاروں نے دل کھول کر سودی قرضے دیئے اور کچھ دنوں کے بعد سننے میں آیا کہ دکان اور ساری جائدادیں نیلام پر چڑھ گئیں۔ فرم کا نام ڈوب گیا۔ چند ہی دنوں میں یہ ہرا بھرا چمن تاراج ہو کے رہ گیا۔

اب لوگوں کی زبان پہ "امین جوہری" مر چکا تھا اور اس کی جگہ "امین جواڑی" نے لے لی تھی۔ لوگ امین جواڑی کے سائے سے بھاگنے لگے۔ جس راستے سے گزرتا انگلیاں اٹھتیں۔ سارا سرمایہ اور ساری جائداد لٹا دینے کے بعد ظالم نے گھر کا سامان بھی بیچ ڈالا۔ اب نہ سماج میں کوئی عزت تھی کہ کہیں سے سہارا ملتا۔ اور نہ گھر میں گزر بسر کا کوئی ذریعہ رہ گیا تھا۔ نوبت فاقے تک پہنچ گئی۔ گھر کی جمی ہوئی محفل اجڑ گئی۔ سارے رشتہ دار ایک ایک کر کے رخصت ہوگئے۔ اب گھر میں سوائے بوڑھی ماں کے اور کوئی نہیں رہ گیا تھا۔

امین جواڑی دن بھر شہر کی خاک چھانتا۔ اس لالچ میں کافی کافی دیر تک اپنے پرانے ساتھیوں کی محفل میں بیٹھا رہتا کہ داؤں جیتنے والوں سے دو چار پیسے مل جائیں اور پیٹ کی آگ بجھے۔ بوڑھی ماں محنت مزدوری کر کے ایک شام کا کھانا پکاتی۔ دن کا وقت فاقے میں گزرتا۔ قسمت کی برگشتگی اور وقت کی آشفتہ حالی پہ روتے روتے ماں کی آنکھیں خشک ہوگئی تھیں۔ امین اب وہ دردمند امین نہ تھا جو باپ کی جدائی کی تاب نہ لا سکا تھا۔ اب سیہ کار زندگی اور غلیظ ماحول نے اس کے دل کی ساری لطافتوں کو سلب کر لیا تھا۔ اب دل کی جگہ اس کے سینے میں پتھر کا ایک ٹکڑا تھا جس کے اندر زندگی کا کوئی گداز نہیں تھا۔

ماں جب غم سے پھوٹ پھوٹ کر روتی تو تسکین دینے کے بجائے ظالم جھڑک دیا کرتا تھا۔ ماں کی ممتا بھی عجیب دیوانی ہے کہ اتنا سب کچھ ہوجانے کے بعد بھی امین ہی اس کے کلیجے کی ٹھنڈک تھا جب تک وہ اسے کھلا نہیں لیتی، خود نہیں کھاتی، جب تک اسے دیکھ نہیں لیتی، رات کو سونا حرام تھا۔

(۱۴)— رجب کا مہینہ آ رہا تھا خواجۂ ہند کے عرس کا موسم آتے ہی ملک کے کونے کونے میں ہنگامۂ عقیدت کا ایک شور برپا ہو گیا۔ شوقِ محبت اور جوشِ جنوں کے ہزاروں کارواں اجمیر کی طرف چلنے کے لئے تیار کھڑے تھے۔ امسال دارجلنگ سے بھی خواجہ دار دیوانوں کا ایک بہت بڑا قافلہ روانہ ہو رہا تھا۔ ہر محلے میں اجمیر کی دھوم مچی ہوئی تھی۔ خواجہ کے پُر شوق تذکرے سے مسلمانوں کی آبادیاں گونج اُٹھی تھیں۔

امین کی بوڑھی ماں کو جب یہ خبر ہوئی تو تڑپ گئی۔ یکایک شوق کی دبی ہوئی چنگاری بھڑک اٹھی۔ بہت دنوں کا سویا ہوا درد جاگ اُٹھا۔ غریبی، تنگدستی اور زندگی کی بربادیوں نے خواجہ کی یاد کو اور بھی رقت انگیز بنا دیا تھا۔ ایک ٹھنڈی آہ بھر کے اس نے دل ہی دل میں خواجہ کو آواز دی۔

"غریب نواز ہم غریبوں کو بھی اپنی چوکھٹ پر بلا لیجیے۔ وقت نے ہمیں محتاج بنا دیا۔ پاس ایک پھوٹی کوڑی بھی نہیں ہے۔ خوشحالی کے زمانے میں آپ کو بھول جانے کی ہمیں کافی سزا مل گئی۔ حضور —! ہماری خطا اب معاف کر دی جائے۔ میرے سرکار —! ایک بار اپنے دلربا گنبد کا نظارا کرا دیجئے۔ مرنے والوں کی روح بھی آسودہ ہو جائے گی۔"

یہ کہتے کہتے پھوٹ پھوٹ رونے لگی۔ آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی بندھ گئی۔ اسی عالم میں امین بھی کہیں سے آ گیا۔ آج اس کی کیفیت بھی بدلی ہوئی تھی۔ ماں کو روتا ہوا دیکھ کر وہیں بیٹھ گیا۔

"ماں! یہاں رو کر اپنے قیمتی آنسو ضائع مت کرو چلو اجمیر چلیں۔ وہیں خواجۂ ہند کی چوکھٹ پر جی کھول کر رو دیں گے۔ ہماری بربادیوں کا ماتم یہاں کون دیکھتا ہے ماں! لوگ کہتے ہیں کہ خواجہ کے دربار میں قسمتوں کے ٹوٹے ہوئے آبگینے ایک لمحے میں جڑ جاتے ہیں۔ چلو وہیں چلیں۔ مرحوم باپ کی وصیت بھی پوری ہو جائے گی اور اگر کہیں خواجہ کو ہمارے حالِ زار پر ترس آ گیا تو کچھ عجب نہیں کہ ہمارے گئے ہوئے دن واپس لوٹ آئیں۔ تیار ہو جاؤ ماں! قافلہ جا رہا ہے۔"

آج بیٹے کا بدلا ہوا رنگ دیکھ کر ماں کا دل بھر آیا۔ آنکھوں میں امید کے آنسو جھلکنے لگے۔ پُر شوق اُمنگوں کے عالم میں اُٹھی اور گھر کے ٹوٹے پھوٹے برتن بیچ کر زادِ سفر کے لئے بڑی مشکل سے دس روپے کا انتظام کیا۔

ماں بیٹے دونوں بے خودی کی حالت میں گھر سے نکل پڑے۔ اور قافلے میں شامل ہو گئے۔ خواجہ کا نام لے کر بلا ٹکٹ گاڑی پر سوار ہو گئے۔ غریب نواز کا کچھ ایسا کرم ہوا کہ راستے میں کہیں پوچھ گچھ اور روک ٹوک نہیں ہوئی۔ جیسے جیسے اجمیر قریب آتا جا رہا تھا، اُمیدوں اُمنگوں اور شوق

کی تپش بڑھتی جارہی تھی۔

اب اجمیر ایک اسٹیشن رہ گیا تھا۔ تمام مسافر اپنا اپنا سامان درست کرنے لگے۔ امین اور اس کی بوڑھی ماں کے پاس سامان ہی کیا تھا جسے وہ درست کرتے۔ البتہ آنکھوں میں آنسوؤں کا طوفان امنڈ رہا تھا۔ دارجلنگ کے دو آشفتہ حال مسافروں کا یہی سب سے قیمتی سامان تھا جسے وہ خواجہ کے حضور میں پیش کرنے کے لئے اپنے جگر کی جلتی ہوئی رگوں سے جمع کر رہے تھے۔

(۵)۔ جلوۂ جاناں کی طرح پلک جھپکتے اجمیر کا اسٹیشن سامنے آگیا۔ خدام آستانہ زائرین کے خیر مقدم کے لئے ہر طرف کھڑے تھے۔ خواجہ کے معزز مہمانوں کا گروہ اپنے اپنے وکیل کے ہمراہ اسٹیشن سے باہر نکل رہا تھا۔

گیٹ سے گزرتے ہوئے ایک خادم نے امین سے دریافت کیا۔

" تمہارے وکیل کا کیا نام ہے؟"

بوڑھی ماں نے آگے بڑھ کر جواب دیا:۔

" غریب نواز "

خواجہ دار دیوانہ سمجھ کر خادم نے دوسری طرف منہ کر لیا۔

یہاں بھی بے روک ٹوک ماں بیٹے اسٹیشن سے باہر نکل آئے اور درگاہ مقدس کی طرف پیدل چلنے والے قافلوں کے پیچھے چل پڑے۔

بلند دروازہ جیسے ہی نظر آیا عظمت خداداد کی دھمک سے پلکیں جھک گئیں۔ دل کی دھڑکنیں جوش عقیدت میں تیز ہوگئیں، دوزانو بیٹھ کر بوڑھی ماں نے پلکوں سے چوکھٹ کا بوسہ لیا۔ اور ایک رقت انگیز بے خودی کے عالم میں امین کو آواز دی:

" بیٹا! یہی وہ چوکھٹ ہے جہاں کھڑے ہو کر تیرے مرحوم باپ نے تجھے بھیک کے طور پر حاصل کیا تھا۔ اس چوکھٹ کے ساتھ تیری زندگی کا رشتہ اٹوٹ ہے بیٹا!"

ماں کی بات ابھی ختم بھی نہ ہو پائی تھی کہ امین نے گھٹنا ٹیک دیا اور عالم بے خودی میں چوکھٹ کا بوسہ لینے کے لئے اس کی پیشانی خم ہوگئی۔

اس کے بعد مختلف دروازوں سے گزرتے ہوئے ماں بیٹے احاطۂ نور میں داخل ہوئے۔

اب خواجۂ کونین کا وہ حسین روضہ نظر کے سامنے تھا۔ جس کی زیبائی پر سارا ہندوستان فریفتہ ہے ہر طرف جھوم جھوم نور کی بارش ہو رہی تھی۔ ہر دل پیکر فریاد تھا۔ اور ہر شخص شراب عرفان کے کیف

میں سرشار نظر آرہا تھا۔

شاہانہ کروفر اور شوکتِ جمال کا نظارہ دیکھ کر دونوں حیرانی کے عالم میں گم تھے۔ سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ کس عالم میں پہنچ گئے ہیں۔ چوکھٹ کے سامنے کھڑے ہوتے ہی ماں کی حالت غیر ہوگئی۔ آنکھوں کا چشمۂ سیال پھوٹ پڑا۔ آلام کی دبی ہوئی چنگاری بھڑک اٹھی۔ کچھ اس طرح ٹوٹ کر اس نے فریاد کی کہ اس کی آہ وزاری سے لوگوں کے دل ہل گئے۔ شہنشاہِ ہند کے حضور میں بلکتے ہوئے اس نے کہا:

"یتیموں، بیواؤں اور بے سہاروں کے والی! گردشِ ایام کے ستائے ہوئے فریادی ایک نگاہِ کرم کی اُمید میں چوکھٹ پر کھڑے ہیں۔

دستر توں اور خوش بختیوں کے راجہ! سُنا ہے کہ ٹھکرائے ہوئے غم نصیبوں کو یہاں پناہ ملتی ہے۔ کتنے ہی خانہ خراب آپ کے دربار سے شاد و آباد واپس لوٹے ہیں۔ ہمیں بھی اپنی نظر نہ آنے والی چادرِ کرم کا ایک جلوہ دکھا دیجئے۔

ٹوٹے ہوئے دلوں کو جوڑنے والے خواجہ! ہمارے بھی نصیب کا ٹوٹا ہوا شیشہ جوڑ دو ... ایک بیوہ کی فریاد سن لو! ایک یتیم کی کشتی کو منجدھار سے نکال دو۔ تمہارا بخشا ہوا پھول مرجھا گیا ہے اسے ہرا بھرا کر دو خواجہ!"

خدّامِ آستانہ سے ماں بیٹوں کا بلک بلک کر رونا دیکھا نہ گیا۔ انھیں اندر لے گئے اور مزار کی پائینتی کھڑا کر کے سروں پر چادر ڈال دی۔ دامنِ رحمت کی ٹھنڈی چھاؤں میں آجانے کے بعد جگر کی آگ بجھ گئی۔ آنسوؤں کا سیلاب تھم گیا اور انجانے طور پر دل کو سکون مل گیا۔

تھوڑی دیر کے بعد باہر نکلے تو روحانی فراغت اور دل کا سرور چہرے سے آشکار تھا۔ بھوک نے ستایا تو لنگر خانے کی قطار میں کھڑے ہوگئے۔ بھیک لی، آسودہ ہوئے اور پھر چوکھٹ پر آکر جم گئے۔ جب تک اجمیر میں رہے ماں بیٹوں کا یہی معمول رہا۔

۶ آج رجب کی نو تاریخ تھی۔ میلہ ٹوٹ رہا تھا قافلے واپس لوٹ رہے تھے۔ عشاق کے لئے رخصت کی گھڑی قیامت سے کم نہیں تھی۔ فریادیوں کی چیخ اور آہ وزاری سے ہر طرف ایک شور محشر بپا تھا۔ ماں بیٹے بھی ڈبڈبائی ہوئی آنکھوں کے ساتھ دربارِ خواجہ سے رخصت ہوئے۔

بلند دروازے سے باہر نکل کر بیٹے نے ماں سے کہا "خالی ہاتھ آئے تھے، خالی ہاتھ واپس ہورہے ہیں۔ سُنا تھا کہ یہاں ایک لمحے میں تقدیر کی کایا پلٹ دی جاتی ہے"

ماں نے جواب دیا۔ بیٹا جو کچھ تم نے سُنا تھا غلط نہیں ہے یہاں قسمت کی گرہ کُھل جاتی ہے پر ہاتھ نظر نہیں آتا۔ ایسا بھی ہوتا ہے کہ دامن بھر جاتا ہے لیکن دامن والے کو بھی خبر نہیں ہوتی۔ بیٹا! عارفوں اور اہلِ نظر کی یہ دُنیا دیوانی نہیں ہے جو ہر سال بھکاریوں کی قطار میں یہاں آ کر کھڑی رہتی ہے

ماں، بیٹے کو سمجھا رہی تھی اور بیٹا اسی خیال میں سرگرداں تھا کہ پیچھے سے آواز آئی "امین سے جوا دے" ـــــ پلٹ کر دیکھا تو ایک فقیر سڑک کے کنارے بیٹھا ہوا بھیک مانگ رہا تھا۔ امین نے ایک سائل سمجھ کر کوئی توجہ نہ دی اور آگے بڑھ گیا۔ فقیر نے پھر آواز دی۔ اس مرتبہ آواز کے لہجے سے بے نیازی کا شکوہ ٹپک رہا تھا۔

ماں چلتے چلتے رُک گئی۔ امین بھی ٹھہر گیا۔ دونوں واپس لوٹے اور فقیر کے پاس آ کر بیٹھ گئے فقیر نے تیور بدل کر کہا۔ "لا تیرے پاس جو کچھ ہے خواجہ کے نام پر رکھ دے!"

امین کو کچھ پس و پیش ہوا۔ لیکن ماں نے بغیر کسی تامل کے پانچ روپے نکال کر رکھ دیئے۔ یہی اس غریب و مسکین قافلے کی کل کائنات تھی۔

فقیر نے اپنی جھولی سے کوئی چیز نکال کر ماں کے آنچل میں ڈالتے ہوئے کہا:

"اسے چھپا کر رکھ لے! خواجہ کی برکت سے تیری خوشحالی کے دن پلٹ آئیں گے۔ جا سیدھی گھر چلی جا۔"

پر اُمید امنگوں کے عالم میں فقیر کے پاس سے ماں بیٹے اُٹھے اور تیزی کے ساتھ قدم بڑھاتے ہوئے اسٹیشن کی طرف روانہ ہو گئے۔ اسٹیشن پہنچ کر امین نے نہایت بے چینی کے ساتھ دریافت کیا۔ ذرا دیکھیں ماں! فقیر نے کیا دیا ہے؟ دیکھا تو آنچل میں ایک گول اور چکنا پتھر پڑا ہوا تھا۔ امین کی ساری اُمیدوں پر اوس پڑ گئی۔ جھنجھلا کر ماں سے کہا۔ "وہ پانچ روپے بھی پانی میں گئے۔ اب راستہ کتنا بھی مشکل ہے۔ افسوس بڑی امید لے کر آئے تھے اور نہایت شکستہ خاطر ہو کر یہاں سے لوٹ رہے ہیں۔ دارجنگ میں تو ایک ہی وقت کا فاقہ تھا اب تو راستے بھر فاقہ کرنا ہوگا۔ کیا خبر تھی کہ فقیری کا لبادہ اوڑھ کر یہاں رہزن بھی راستوں میں بیٹھے رہتے ہیں۔"

جھنجھلاہٹ میں ماں کے ہاتھ سے وہ پتھر لے کر پھینکنا ہی چاہتا تھا کہ ماں نے اس کے ہاتھ سے چھین لیا۔ "اسے ساتھ رکھنے سے تیرا کیا بگڑتا ہے۔ سونے کی ڈلی نہ سہی خواجہ کے شہر کی یادگار تو ہے۔ گھر پڑی رہے گی۔"

خدا خدا کر کے کسی طرح یہ قافلہ دارجلنگ پہنچ گیا۔ اس بار بھی راستے میں کہیں روک ٹوک نہیں

ہوئی۔ کئی دن کے فاقے سے ماں بیٹے نڈھال ہو گئے۔ گھر پہنچتے ہی محلہ پڑوس کے لوگوں نے کھانے کا انتظام کیا۔

دوسرے دن امین اپنی عادت کے مطابق صبح سویرے ہی اپنے ساتھیوں کی طرف نکل گیا۔ ساری محفلیں ویران ہو گئی تھیں۔ جوئے کے تمام مرکزوں پر خاک اڑ رہی تھی۔ امین کو اس نئی صورتحال سے سخت اچنبھا ہوا۔ دریافت کرنے پر یہ راز کھلا کہ محکمہ "انسداد جرائم" کے ایک ہوشیار دستے نے سارے اڈوں پر چھاپہ مار کر سب کو رنگے ہاتھوں گرفتار کر لیا ہے۔

اپنے حق میں بھی خطرہ محسوس کرتے ہوئے امین فوراً گھر واپس لوٹ آیا۔ آج خلافِ معمول دن کے وقت بیٹے کو دیکھ کر ماں کو بے حد خوشی ہوئی۔ اس کے دل نے اعتراف کر لیا کہ یہ خواجہ کی پہلی برکت ہے۔ دن کے وقت اپنے ساتھیوں میں پہنچ کر کچھ کھا پی لیا کرتا تھا۔ لیکن اب وہ سہارا بھی اُجڑ گیا تھا۔ آج سارا دن فاقے سے گزر گیا۔ جھنجھلاہٹ میں بات بات پر ماں سے لڑ پڑتا تھا۔ وہ پانچ روپے اس کے ذہن سے نہیں اُتر رہے تھے۔

غصّے میں بھرا بیٹھا ہی تھا کہ اس کی نظر اس چکنے پتھر پر پڑی جو فقیر کے پاس سے ماں لے کر آئی تھی۔ عالمِ غیظ سے اُٹھا اور اس پتھر کو پوری طاقت سے اپنے گھر کی دیوار پر دے مارا۔ پتھر ٹوٹ گیا لیکن زندگی کا ٹوٹا ہوا آبگینہ جُڑ گیا۔ دیکھا تو بیش قیمت جواہرات کے ہزاروں ٹکڑے صحن میں بکھرے ہوئے تھے۔

امین خوشی سے پاگل ہو رہا تھا۔ ماں سجدۂ شکر میں گری ہوئی تھی۔ خواجہ کی ایک نگاہِ کرم سے پھر خوشحالی کے دن پلٹ آئے۔ "امین جواری" پھر امین جوہری ہو گیا۔

اب امین جوہری کسی مقامی فرم ہی کا نہیں بلکہ جواہرات کی بین الاقوامی ایجنسیوں کا مالک تھا۔

خواجہ تیرے ڈھنگ نرالے!

نہایت اختصار کے ساتھ یہ چند سطریں اپنے آقائے دولت کی سرکار میں بطور نذرِ عقیدت پیش کی ہیں۔ زندگی نے وفا کیا تو دل کا ارمان کچھ اور ہے۔ پھولوں کے جگر میں بسنے والے خواجہ اسے قبول فرمائیں۔

گلہائے عقیدت!

خواجۂ خواجگان سُلطان الہند عطائے رسُول سیّدی سرکار معین الدین سنجری اجمیری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عالی مرتبت بارگاہ میں نیاز کیشوں کا منظوم نذرانۂ محبّت گُلہائے عقیدت کے زیرِ عنوان ھدیۂ ناظرین ہے!

خواجہ کی یاد میں ایک بیقرار اور تڑپتے ہوئے دِل کو اس کے سوا چاہیئے کیا؟ کبھی وُہ نثر سے جی بہلائے تو کبھی نظم سے ؎

غوث کو یا غوث کہتے کہتے ہو جاتے ہیں غوث
خواجگی مِل جاتی ہے خواجہ کا تُو دم بھر کے دیکھ

(حضور محدث اعظم علیہ الرحمہ)

”ادارہ پاسباں“

حضرت قمؔر سلیمانی کانپوری

منقبت

چراغِ انجمنِ اولیاء غریب نواز
امینِ سطوتِ خیبر کشا غریب نواز

مدد کو رحمتِ پروردگار آتی ہے
پکارتا ہے اگر کوئی یا غریب نواز

گلِ حدیقۂ حسنین نورِ چشم علی
فدائے سیرتِ خیر الوریٰ غریب نواز

ہزار شورشِ طوفاں ہو مجھ کو غم کیا ہے
مرے سفینے کے ہیں ناخدا غریب نواز

وہیں سے کھینچ لیا دامنِ کرم نے ترے
غریب نے جو پکارا کہ یا غریب نواز

سجودِ عشق کی لذّت سے آشنا جو ہوا
وہ سر نہ آپ کے در سے اُٹھا غریب نواز

خدا کرے وہی نظریں ہوں آپ کے جلوے
یہی دُعا ہے یہی مدعا غریب نواز

ہماری سمت بھی للّٰہ اک نگاہ کرم
تڑپ رہا ہے دِلِ مُبتلا غریب نواز

برائے خواجۂ عثماں ہوا اک نظر آتا
سوئے غریب محبّت نما غریب نواز

قمرؔ وہ جام ملا ہے کہ جوش مستی میں
تمام عمر پکاروں گا یا غریب نواز



حضرت رازؔ الہ آبادی

منقبت

حضور خواجہ غریب نواز اجمیری رحمۃ اللہ علیہ

اگر نہ ہوتا ترا آستاں غریب نواز
غریب کا تھا ٹھکانا کہاں غریب نواز

غمِ جہاں کے ستائے ہیں، پر آستے ہیں
تمہارا دَر ہے کہ دارالاماں غریب نواز

مریضِ غم ہیں کوئی چارہ گر نہیں ملتا
ہم اپنا داغ دکھائیں کہاں غریب نواز

یہ دَر وُہ دَر ہے جہاں زندگی سنورتی ہے
یہاں سے جائیں تو جائیں کہاں غریب نواز

ہر آدمی یہاں دل سے یقیں رکھتا ہے
کہ سُن رہے ہیں مری داستاں غریب نواز

رسولِ پاک کے صدقہ میں راہ دکھلادو
بھٹک رہا ہے مرا کارواں غریب نواز

جلائے جاتے رہیں پھر آشیاں غریبوں کے
پھر اُٹھ رہا ہے چمن سے دھواں غریب نواز

یہ شانِ بندہ نوازی تو دیکھئے اُن کی
وہیں غریب کھڑے ہیں جہاں غریب نواز

ہمارے سامنے اک روز یوں بھی آجاؤ
کوئی حجاب نہ ہو درمیاں غریب نواز

زباں ترستی ہے مدت سے گفتگو کے لئے
کہاں سے لاؤں میں حُسنِ بیاں غریب نواز

کہاں میں اور کہاں رازؔ دامنِ خواجہ
کہ میں زمیں ہوں اور آسماں غریب نواز



حضرت اجملؔ سلطانپوری

منقبت

خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ

میرے سرکار خواجۂ اجمیر | میرے مختار | خواجۂ اجمیر
ہر مصیبت ہر ایک مشکل میں | ہیں مددگار | خواجۂ اجمیر
غم کا طوفاں ہے اور میری ناؤ | کیجیے پار | خواجۂ اجمیر
میرے دامن میں بھی کوئی موتی | اے گہر بار | خواجۂ اجمیر
میرے مالک مرے معین الدین | میرے مختار | خواجۂ اجمیر
میرے آقا مرے غریب نواز | میرے سرکار | خواجۂ اجمیر
اپنے سائل کو پاس بلوائیں | کاش ہر بار | خواجۂ اجمیر
اپنے خادم کو بھی دکھا دیتے | اپنا دیدار | خواجۂ اجمیر
میرے مشکل کشا معین الدین | میرے غمخوار | خواجۂ اجمیر
قلب میں ہے عقیدت چشتی | لب پہ ہر بار | خواجۂ اجمیر
جان و ایمان میرا سب تن من | تم پہ بلہار | خواجۂ اجمیر
اب دکھاؤ فقیر کو اپنے | اپنا دربار | خواجۂ اجمیر

اپنے اجملؔ پہ بھی نگاہ کرم
اے کرم گار خواجۂ اجمیر

حضرت بہزآد

یا خواجہ

اسی سے صاف ظاہر ہے تمہارا مرتبہ خواجہ
کہ اٹھتی ہے تمہاری سمت چشمِ اولیاء خواجہ

تحیر میں پڑی ہے کیوں مری چشمِ تماشائی
نظر کی ابتداء خواجہ، نظر کی انتہا خواجہ

تو اتر سے مرے سجدوں کے کیوں دُنیا کو حیرت ہے
مجھے تو عشق نے بخشا تمہارا رابطہ خواجہ

در و دیوار کو اِک وجد ہے، سکتہ میں ہے دُنیا
زبانِ بے زبانی کہہ رہی ہے ماجرا خواجہ

تمہارے در پہ آکر دین و دُنیا پا لئے میں نے
تمھیں سے ہو رہے ہیں دونوں عالم کی بنا خواجہ

زہے شانِ کریمی اب میرے دامن میں سب کچھ ہے
مری اُمیّد سے تم نے دیا مجھ کو سوا خواجہ

کوئی ہر گام پہ یہ کہہ رہا ہے میرے کانوں میں
سراجِ عارفاں خواجہ ہیں جانِ اولیاء خواجہ

مرے عالم کو اے بہزآد اہل دل ہی سمجھیں گے
زبانِ عشق سے کہتا ہوں دل میں ہر وقت یا خواجہ

کہاں جاتے ؟

سُنانے اپنی بربادی کے افسانے کہاں جاتے
ترا در چھوڑ کر خواجہ یہ دیوانے کہاں جاتے

ہمیشہ بھیک ہم نے تو اسی چوکھٹ سے پائی ہے
ہم اپنا دامنِ اُمّید پھیلانے کہاں جاتے

تمھارے سر پہ خواجہ تاج ہے مشکل کشائی کا
ہم اپنی اُلجھنیں اوروں میں سُلجھانے کہاں جاتے

زمانے بھر کو داروئے شفا اس در سے ملتی ہے
ہم اپنے دِل کے گہرے زخم دکھلانے کہاں جاتے

مقدر ہے ازل سے جب یہیں مرنا یہیں جینا
تو پھر اے شمعِ سنجر تیرے دیوانے کہاں جاتے

جبینوں پر نہ ہوتا نقش گر اس آستانے کا
غلامانِ معین محشر میں پہچانے کہاں جاتے

درِ خواجہ پہ بگڑی قسمتیں بنتی ہیں اے عرشیؔ
ہم اپنی لوحِ پیشانی بدلوانے کہاں جاتے

جہانِ چشت

تمھیں سے ہم کو حاصل ہو گیا حق کا پتہ خواجہ
تمھارے در نے دکھلائی ہمیں راہِ خدا خواجہ

بقول مرشد ما آپ ہیں سب سے جُدا خواجہ
جہانِ چشت کی ہے اور ہی آب و ہوا خواجہ

بنایا اس طرح سے ہم کو منزل آشنا خواجہ
ہوئے خود آپ ہی ہر ہر قدم جلوہ نما خواجہ

مثال بے نیازی اس سے بڑھ کر ہو نہیں سکتی
نظر آنے لگا ہوں خود ہی اپنا آئینہ خواجہ

کہیں ہیں نائبِ احمد کہیں وارث محمد کے
دیارِ ہند میں ہیں جانشینِ مُصطفٰے خواجہ

میں اپنے راز کو اے رازؔ خود ہی فاش کرتا ہوں
ہیں میری ابتدا، خواجہ ہیں میری انتہا خواجہ
